دل ان سب کے بارے میں پوچھ ہونی ہے۔ اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔ ہرگز تم زمین کو پھاڑ نہ دو گے نہ لمبائی میں پہاڑوں کو چھو لو گے۔ یہ سب کی سب بری باتیں تیرے رب کے نزدیک (بڑی) ناپسندیدہ ہیں۔ یہ وہ دانائی (حکمت) ہے جس کی تیرے رب نے تیری طرف وحی کی ہے۔ اور (ایک) اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بناؤ کہ انجام میں جہنم میں ڈالے جاؤ۔ ہر طرف سے ملامتیں سنتے اور دھتکارے ہوکر۔

(آیات ۲۹-۲۹)

آخری آیت کی یہ تاکید کہ یہ حکمت کی باتیں ہیں جن کی تمہارے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے اور یہ کہ ایک خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ ورنہ تم اپنے کو جہنم کا ایندھن بنائے جانے سے بچا نہ سکو گے، اس کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ایک خدا کی بندگی اور وسیع تر دائرۂ زندگی میں اس کے دئے گئے احکام کی بے لاگ پیروی ہی وہ چیز ہے جو کسی شخص کو جہنم کے عذاب سے نجات کی ضمانت دے سکتی ہے۔ بندگی رب کا ایسا کوئی تصور قرآن کے لیے بالکل اجنبی ہے جس میں خدا سے وفاداری کا کوئی ایسا نسخہ تجویز کیا گیا ہو جس کے تقاضے مجرد پرستش یا نیازمندی کی دوسری صورتوں سے پورے ہو جاتے ہوں، معاملات زندگی میں خدائی احکام و ہدایات کی پیروی کی چنداں ضرورت نہ ہو۔ اور معاملہ خاص آخری پیغمبرؐ کے پیغام اور دعوت کا نہیں، قرآن کا ہمیشہ سے اپنے مخاطبین سے اسی بات کا مطالبہ رہا ہے۔ قوم بنی اسرائیل جو امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت والسلام سے پہلے امامت عالم کے منصب پر فائز تھی، قرآن اس سے لیے گئے عہد و پیمان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

اور یاد کرو جبکہ ہم نے بنی اسرائیل سے قرار لیا کہ تم سوائے اللہ کے کسی کی بندگی (عبادت) نہ کرو گے۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں سے بھلی بات کہو۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو پھر سوائے تھوڑے لوگوں کے تم پھر گئے درں حالیکہ تم منہ موڑے ہوئے تھے۔ اور یاد کرو جبکہ ہم نے تم سے قرار لیا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ گے اور نہ ایک دوسرے کو اس کے گھر سے نکالو گے پھر تم نے تسلیم کیا جبکہ تم گواہی دینے والے تھے۔ پھر اب تم ہی ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنی ہی ایک جماعت کو ان کے گھروں سے نکالتے

ہو۔ تم ان کے خلاف گناہ اور سرکشی سے ایکا کرتے ہو۔ اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو تم انھیں فدیہ دے کر چھڑاتے ہو حالانکہ (پہلے سے) تم پر حرام یہ تھا کہ تم انھیں اپنے گھروں سے نکالو۔ تو کیا تم بس کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور دوسرے کا انکار کرتے ہو۔ سو تم میں سے جو یہ کرے اس کا بدلہ سوائے اس کے کیا ہے کہ دنیا کی زندگی کی رسوائی اور قیامت کے دن یہ سخت ترین عذاب کی طرف پلٹائے جائیں گے اور اللہ اس سے اندھیرے میں نہیں ہے جو تم کرتے ہو۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کی زندگی کے بدلے آخرت کا سودا کر لیا ہے۔ تو نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ (البقرہ: ۸۳-۸۶)

قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ کی بندگی اور اس کی عبادت کے یہی وسیع تقاضے ہیں جن کے پیش نظر ہمارے مفسرین کرام اس سلسلے کی مجمل آیات میں ہر دور کے لیے شریعت وقت کی پیروی کو لازم قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام طبری سورۂ انبیاء کی آیت کریمہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ	اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے انھیں
رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ	اسی بات کی وحی کی کہ کوئی دوسرا معبود نہیں
اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (۲۵)	سوائے میرے۔ سو تم (بس) میری عبادت کرو۔

کی تشریح میں فرماتے ہیں:

بہ ارسلت الرسل بالاخلاص	(تمام زمانوں میں) رسولوں کو جو پیغام دے کر
والتوحید لا یقبل منہم عمل	بھیجا گیا وہ ایک خدا کا اقرار اور اس کے لیے
حتی یقولوہ ویقروا بہ و	کامل یکسوئی ہے۔ (دنیا کے) لوگوں کا کوئی
الشرائع مختلفۃ فی التوراۃ	عمل مقبول نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اسے
شریعۃ و فی الانجیل	مانیں اور اس کا اقرار نہ کریں۔ (دین کی اس
شریعۃ و فی القرآن شریعۃ	اصل و اساس کے علاوہ) شریعتیں البتہ
حلال و حرام وھذا کلہ	الگ الگ ہیں۔ تورات میں ایک شریعت
فی الاخلاص للہ والتوحید	ہے۔ انجیل میں ایک شریعت ہے۔ اسی
لہ[۲۱]	طرح قرآن کی شریعت اور حلال و حرام الگ ہے۔

البتہ (جزوی اختلافات کے باوجود) یہ تمام شریعتیں ایک خدا کے اقرار اور اس کے لیے کامل سپردگی کے گرد گھومتی ہیں۔

اسی طرح حافظ ابن کثیر اسی سورۃ کی دوسری آیت:

إِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (۹۲)

(اے گروہ انبیاء) یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری ہی عبادت کرو۔

کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ای هٰذه شریعتکم التی بینت لکم و وضحت لکم 'وانا ربکم فاعبدون' کما قال: 'یاایها الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا' الی قوله: 'وانا ربکم فاتقون' وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: 'نحن معاشر الانبیاء اولادت علات دیننا واحد' یعنی ان المقصود هو عبادة الله وحده لا شریک له بشرائع متنوعة لرسله، کما قال لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا۔ ۲۲

یعنی یہ تمہاری شریعت ہے جسے میں نے خوب کھول دیا ہے اور اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔ 'وانا ربکم فاعبدون' اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری ہی بندگی کرو' اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ویسا ہی ہے جیسا کہ فرمایا: یاایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا تا 'وانا ربکم فاتقون'، اے رسولو پاک ستھری چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو..... اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ ہی سے ڈرو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات اس طرح فرمائی کہ ہم گروہ انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ ہمارا (اصل) دین ایک ہے یعنی (سب کا) مقصد بس ایک اللہ کی بندگی (عبادت) ہے جس کا کوئی ساجھی نہیں مختلف شریعتوں کے ذریعہ سے جو ہر رسول کے لیے الگ الگ رہی ہیں، جیسا کہ (دوسرے موقع پر) فرمایا: لکل جعلنا منکم شرعة

ومنهاجا۔ تم میں سے ہر ایک کے
لیے ہم نے الگ شریعت اور الگ طریقہ
مقرر کیا۔

دعوتِ انبیاء کا اجتماعی پہلو

حضرات انبیاء علیہم السلام کی وسیع دعوت اور ان کے ہمہ گیر پیغام کا اندازہ اس حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ بندگیِ رب کے دوسرے تقاضوں کے ساتھ یہ حضرات قوم کے اجتماعی امراض کی نبض شناسی کرتے نظر آتے ہیں۔ قوم کے اجتماعی ڈھانچے میں لاحق خرابیوں کی وہ ایک ایک کرکے نشاندہی کرتے ہیں اور پورے زور اور پوری قوت کے ساتھ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی انھیں تلقین کرتے ہیں اور دعوت کے اہم ترین جزو کی حیثیت سے اس کی عدم تعمیل کی صورت میں عذابِ الٰہی کا انھیں ڈر سناتے ہیں۔ قوم عاد وہ بدبخت ترین قوم تھی جس نے جنسی تعلق کے سلسلے میں 'فطرۃ اللہ' کو بدل کر سماج کے صحت مند ارتقاء کو پامال اور اسے اخلاقی انارکی کے الاؤ میں جھونکنا چاہا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے خدا کا خوف اور اپنی پیروی اختیار کرنے کے بعد اپنی دعوت میں اسی چیز کی طرف توجہ کی:

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطِ نِ الْمُرْسَلِينَ ۝ — لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا جبکہ ان
إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا — سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ کیا تم...
تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ — ... ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارے لیے امانت دار
أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ — پیغامبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری
وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ — اطاعت کرو۔ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ
إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ — نہیں چاہتا۔ میرا بدلہ تو جہان کے حاکم پر ہے۔
أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ — کیا تم دنیا والوں میں ہم جنسوں پر آتے ہو۔ اور
وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ — تمہارے رب نے تمہارے لیے جو جوڑے
مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ — پیدا کیے ہیں انھیں چھوڑتے ہو۔ بلکہ تم حد
قَوْمٌ عَادُونَ ۝ (شعراء: ۱۶۰-۱۶۶) — سے بڑھے ہوئے سرکش لوگ ہو۔

یہاں تک کہ سورۂ اعراف میں یہی چیز ان کی دعوت کا مرکزی نکتہ بن جاتی ہے۔ اور اول

کلام اور حق مبین کارگر نہ ہو اس کے لیے معجزہ مفید ہو جائے اس کی توقع کم ہی ہوتی ہے۔ اسی لیے حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھو کہ ان لوگوں پر کس طرح برہم ہوئے جنھوں نے ان سے معجزہ کا مطالبہ کیا۔ اور ان منافقین پر کس طرح اظہار افسوس کیا جو کلام الٰہی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اسے تو پس پشت ڈال دیتے ہیں، اور معجزہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ صالحین بغیر معجزہ کے ایمان لاتے ہیں۔

غرض وحی کا استدلال عقل و فہم کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں تدبر اور تفکر کی تعریف کثرت سے آئی ہے۔ "تدبر" سے مراد فکر کو صحیح عقلی طریقہ پر استعمال کرنا ہے۔ "صحیح" اس لیے کہ ہر قوت کو غلط طریقہ سے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ (معجزہ کی بحث دوسرے مقدمہ میں آئے گی)[1]

(۷)

ہم یہاں قرآن مجید کے طرز استدلال کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کے استدلال کا طریقہ کیا ہے۔ کیوں کہ تم استدلال میں ان اصطلاحات کے عادی ہو چکے ہو جو بعد میں وضع کی گئی ہیں، مثلاً دلیل، دعویٰ، اثبات و ابطال، قضیہ، صغریٰ و کبریٰ وغیرہ اور قرآن کے فطری اور سادہ طرز استدلال سے مانوس نہیں ہو۔

پہلی مثال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ — اے لوگو اگر تم کو دوبارہ جی اٹھنے میں شک ہے۔

یہ تقریر دعویٰ ہے اس کے بعد دلیل ہے:

---

[1] قرآنی موضوعات پر مولانا کے بیشتر رسائل دراصل ان کے مقدمۂ تفسیر "فاتحہ نظام القرآن" کے مختلف اجزا ہیں جنھیں مطالب کی وسعت کی بنا پر مستقل کتابوں کی صورت دیدی گئی۔ معجزات کی بحث کے لیے یہاں جس مقدمہ کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ فاتحہ نظام القرآن میں موجود نہیں ہے۔ البتہ اس موضوع پر مولانا کے خیالات ان کی کتاب "القائد الی عیون العقائد" مطبوعہ دائرہ حمیدیہ سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ (مترجم)

وآخر وہ اپنی قوم کو اسی مرض اجتماعی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں:

"اور یاد کرو لوط کو جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جسے تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر قضائے شہوت کے لیے مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم حد سے بڑھے ہوئے لوگ ہو۔ اس کی قوم کا جواب اس کے سوا دوسرا نہ تھا کہ نکالو ان لوگوں کو اپنی بستی سے۔ یہ بڑے پاک باز بنتے لوگ ہیں۔ (آیات: ۸۰-۸۲)

دوسری جگہ اس قوم کے بعض دوسرے اجتماعی امراض کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ اور یہ چیز آں جناب کی دعوت میں خاص توجہ کی مستحق قرار پائی ہے:

اور یاد کرو لوط کو جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جسے تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ یہ تم ہی ہو یہ جو (قضائے شہوت کے لیے) مردوں کے پاس آتے ہو اور راہ مارتے ہو اور اپنی بھری مجلسوں میں برائی کی باتیں کرتے ہو۔ تو اس کی قوم کا جواب اس کے سوا دوسرا نہ تھا کہ ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ (عنکبوت: ۲۸-۲۹)

یہی معاملہ دوسرے جلیل القدر پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے جن کی مخاطب قوم میں ناپ تول میں کمی کی بیماری عام تھی۔ اس کے علاوہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ جسمانی قوت اور زور آوری کا غلط فائدہ اٹھا کر زمین میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کیے ہوئے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بندگی رب کا پیغام سنانے کے بعد اسی اجتماعی مرض کی طرف انھیں متوجہ کرتے ہیں۔

اور ہم نے مدین (والوں) کے پاس ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! ایک اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ میں تمہیں اچھے حال میں دیکھتا ہوں۔ ساتھ ہی مجھے تمہارے اوپر ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول کو ٹھیک ٹھیک پورا کرو اور لوگوں سے ان کی چیزوں میں بٹہ نہ مارو۔ اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ اور اللہ کی بچی نعمت تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ اور میں تم پر پہرے دار نہیں ہوں۔ (ہود: ۸۴ تا ۸۶)

سورۂ اعراف میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو نصیحت مزید تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں اجتماعیت کے زکات کس غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ اور ان کی اصلاح و درستگی کے لیے یہ حضرات کس قدر بے چین اور مضطرب ہوتے ہیں۔

اور مدین (والوں) کے پاس ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو ایک اللہ کی بندگی کرو۔ تمہارے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی نشانی آ گئی ہے۔ سو تم ناپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں سے ان کی چیزوں میں بٹہ نہ مارو۔ اور زمین میں اس کی اصلاح کے پیچھے فساد نہ پھیلاؤ یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ اور راہ میں جہاں کہیں ڈراتے دھمکاتے نہ بیٹھو اور نہ روکو اللہ کے راستے سے ان کو جو اس پر ایمان لائے اور اس (راستے) میں کجی نہ چاہو۔ اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑے تھے سو اس نے تم کو زیادہ کیا۔ اور دیکھو کہ فساد چاہنے والوں کا انجام کیسا رہا۔ اور اگر تم میں ایک جماعت ہے جو ایمان لائی ہے اس پر جسے میں دے کر بھیجا گیا ہوں اور دوسرے لوگ ہیں جو (اس پر) ایمان نہیں لائے ہیں۔ تو ٹھہرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (آیات: ۸۵-۸۷)

دوسرے مقام پر بھی ان کی دعوت میں اسی نکتہ پر زور و تاکید ابھرا ہوا ہے:

"ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا جبکہ ان سے شعیب نے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارے لیے پیغامبر ہوں امانت دار۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور اس پر میں تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ میرا بدلہ تو جہاں والوں کے رب پر ہے۔ اور ناپ کو پورا کرو اور کمی کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ اور ٹھیک تول سے تولو۔ اور لوگوں سے ان کی چیزوں میں بٹہ نہ مارو۔ اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ اور اللہ سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور تم سے پچھلی نسلوں کو بھی۔ (شعراء: ۱۷۶-۱۸۴)

اجتماع انسانی کو راہ راست پر لگانے اور اسے اپنی پوری زندگی میں خیر و فلاح سے ہم کنار

کرنے کے سلسلے میں ان اہم ترین تعلیمات و ہدایات کے علاوہ، حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں ہمیں دوسرے نکات بھی ملتے ہیں جو نظام اجتماعی کی مکمل تبدیلی کا پتہ دیتے ہیں۔ اور جن سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ یہ حضرات گرامی دنیا کے اندر نظام وقت میں چھوٹی موٹی تبدیلیوں یا جزوی اصلاح و ترمیم کے لیے نہیں آتے بلکہ رائج الوقت نظام کو یکسر تبدیل کر کے اسے بالکل نئے خطوط پر ڈھالنا ان کے بنیادی مقاصد میں شامل ہوتا ہے۔ انسانی زندگی میں بگاڑ اور فساد کا اصل سبب اس کے سوا دوسرا نہیں کہ خدا سے بیزار یا اس کی ذات و صفات کے سلسلے میں بے اعتدالیوں کے شکار مٹھی بھر لوگ جو عزت و جاہ کے مالک اور دولت و ثروت کے وسائل پر قابض ہوتے ہیں انسانی آبادی کی عظیم اکثریت کو اپنی مرضی اور پسند کے راستے پر چلاتے اور اسے خدا سے دور کر کے دنیا و آخرت ہر جگہ ناکامیوں اور نامرادیوں کے کھڈ میں گرانے کے موجب بنتے ہیں۔ ان لوگوں کے تمام تر مفادات خدا سے دوری اور اس کی صحیح معرفت سے محرومی پر مبنی اسی سماجی ڈھانچے سے وابستہ ہوتے ہیں جس کی بقاء اور جسے گرنے سے بچانے کی خاطر وہ اپنا پورا ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ خدا کی صحیح معرفت کی علمبردار انبیائی دعوت انھیں اپنے لیے پیام اجل دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ وہ اس کی ہر طرح مخالفت کرتے ہیں اور اس کی راہ میں ہر ممکن طریقے سے رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا ناآشنا یہی شر پسند لوگ ہوتے ہیں جنھیں قرآن 'مسرفین'، حد اعتدال سے ہٹے ہوئے اور 'مفسدین' فساد اور بگاڑ پھیلانے والوں کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اور اس کے نزدیک خدا کا ڈر اور رسول کی پیروی و اطاعت کا خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا جب تک کہ آدمی 'بتوں اور مورتیوں' کی پرستش کے ساتھ ان 'مسرفین اور مفسدین' سے دامن کش نہیں ہوتا۔ حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کے سامنے دعوت حق پیش کرتے ہوئے اسی اہم نکتے کی یاددہانی کرتے ہیں:

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا	میں تمہارے لیے پیغامبر ہوں امانت دار سو
اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ ..... فَاتَّقُوا اللّٰہَ	تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو..... سو
وَاَطِیْعُوْنِ ۝ وَلَا تُطِیْعُوْا اَمْرَ	تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور
الْمُسْرِفِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ	حد سے بڑھنے والوں کے معاملہ کی پیروی نہ
فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ۝	کرو۔ جو کہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح
(شعراء: ۱۴۳-۱۴۴، ۱۵۰-۱۵۲)	کچھ نہیں کرتے۔

حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی کشمکش میں اس خدا بیزار طبقہ انسانیت کا کردار اور ابھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلے میں فرعون اپنے جاہ و اقتدار کی دھونس اپنی قوم پر اس طرح جماتا ہے:

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ	اور فرعون نے اپنی قوم میں پکار لگائی۔ کہا
يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَ	اے میری قوم! کیا میرے پاس مصر کی
هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ	حکومت نہیں اور یہ نہریں میرے نیچے سے
تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اَمْ	بہتی ہیں۔ کیا پس تم دیکھتے نہیں ہو۔ آیا میں
اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ	زیادہ اچھا ہوں یا یہ (موسیٰؑ) جو (بالکل)
هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝	بے حیثیت ہے اور صاف بول بھی نہیں
فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ	سکتا ہے۔ (اگر یہ فرستادۂ خدا ہے) تو کیوں
مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ	نہ ایسا ہوا کہ اس پر سونے کے کنگن ڈلے
الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝	ہوتے یا اس کے ساتھ فرشتوں کے جھرمٹ
(زخرف: ۵۱-۵۳)	لگے ہوتے۔

اس کے نتیجے میں اس قوم کے ردعمل کو بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ	سو اس نے اپنی قوم پر دھونس جمالی سو وہ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ۔	اس کے کہے پر چلنے لگے۔ ضرور وہ نافرمان
(زخرف: ۵۴)	لوگ تھے۔

انبیائی دعوت کے راستے کا یہ روڑا اسی طرح ہر دور اور ہر زمانے میں موجود رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام ہزار سال تک قوم کے سامنے دعوت حق پیش کرنے کے بعد اس سے مایوس ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور اپنی یہی فریاد پیش کرتے ہیں۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ	نوح نے کہا کہ اے میرے آقا انھوں
وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ	(میری قوم کے لوگوں) نے میرا کہا نہ مانا
وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ۝	اور ان لوگوں کے پیچھے چلے جن کے مال اور
(نوح: ۲۱)	اولاد انھیں گھاٹے پر گھاٹے ہی میں بڑھاتے رہے۔

اسی طرح قرآن جب منکرین خدا کے کردار پر تبصرہ کرتا ہے تو ان کا جرم صرف وہ یہی نہیں

بتاتا کہ یہ لوگ بتوں کے پجاری اور رسوم جاہلیت میں گرفتار تھے، بلکہ ان کے اجتماعی جرائم کو بھی وہ پورے زور اور شدت سے بیان کرتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں اپنے بندوں کی پسندیدہ روش کی تکمیل اس کے بغیر نہیں ہوتی کہ آدمی دینداری کے معروف مظاہر کے ساتھ وسیع تر دائرۂ زندگی میں خدائی احکام پر عمل پیرا ہو اور سماج کی اصلاح اور اس کے ہمہ جہتی سدھار کی راہ اپنائے۔ قرآن کی نظر میں فرعون بگڑے ہوئے انسان کا ایک علامتی نشان ہے جس کا ایک عظیم ترین جرم وہ یہ قرار دیتا ہے :

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (قصص: ۴)	فرعون نے زمین میں (سرکشی کا) سر اٹھایا اور اپنے لوگوں کو ٹکڑیوں میں بانٹ دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو اس نے کچل کر رکھا۔ ان کے بیٹوں کو وہ ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا، ضرور وہ فساد برپا کرنے والوں میں تھا۔

اسی کا ایک ہم نشیں و دمساز قوم بنی اسرائیل سے کٹ کر اس کی صف میں شامل ہو جانے والا قارون ہے۔ اس کا جرم قرآن یہ بیان کرتا ہے کہ اس نے روئے زمین میں بغاوت اور سرکشی کی روش اختیار کر رکھی تھی۔ اور اپنی ہی قوم اور ہم جماعت لوگوں کو ظلم و ستم کی چکی میں پیستا تھا

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ (قصص: ۷۵)	قارون موسیٰ کی قوم سے تھا۔ بعد میں وہ ان پر سرکش ہو گیا۔

اسے نصیحت کرتے ہوئے قرآن دوسری باتوں کے خاص طور پر زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے :

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ ۡ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (قصص: ۷۷)	اور اللہ نے تم کو جو دے رکھا ہے اس میں آخرت کے طلبگار ہو اور دنیا سے اپنے (تھوڑے) حصہ کو نہ بھولو اور حسن سلوک کرو جیسا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ حسن سلوک کیا ہے۔ اور زمین میں فساد نہ چاہو۔ اللہ فساد چاہنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسی طرح قرآن عام طور پر راہِ حق سے ہٹے ہوئے انسان کا ایک وصف یہ بیان کرتا ہے کہ وہ زمین میں فساد پھیلاتا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتا ہے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

(بقرہ: ۲۰۴-۲۰۶)

اور لوگوں میں سے کوئی ہے کہ دنیا کی زندگی کے معاملہ میں اس کی بات تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہے اور جو اس کے دل میں ہے اس پر اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے جبکہ وہ سخت ترین جھگڑالو ہے جب وہ (کہیں) اقتدار کا مالک ہوتا ہے تو زمین میں بھاگ دوڑ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے۔ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو وہ غرور بیجا کا شکار ہوتا ہے سو اس کے لیے جہنم بس ہے۔ اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

اس کے مقابلے میں وہ انسانوں کو جس چیز کی طرف بلاتا ہے اس میں خدا تعالیٰ سے صحیح رشتہ استوار کرنے کے بعد اہم ترین بات یہی ہوتی ہے کہ آدمی زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے سے اجتناب کرے :

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (اعراف: ۵۵،۵۶)

اپنے رب کو پکارو لجاجت سے اور آہستہ۔ وہ سرکشی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور زمین میں اس کی اصلاح پیچھے فساد نہ پھیلاؤ اور اسے (اللہ کو) پکارو امید و بیم کی کیفیت کے ساتھ۔ ضرور اللہ کی رحمت (ایسے) خوب کاروں سے قریب ہے۔

آخرت کی زندگی میں جو لوگ کامیابیوں سے ہم کنار اور جنت کی ابدی نعمتوں سے شاد کام ہوں گے، انھیں یہ مرتبہ اس لیے نہیں حاصل ہوگا کہ کسی محدود دائرے میں انھوں نے خدائی احکام پر عمل کیا ہوگا، یہ مقام انھیں اس لیے ملے گا کہ 'علو و استکبار اور فتنہ و فساد' سے دامن کش

رہ کر اپنی پوری زندگی میں انھوں نے خدائی مرضیات کی تکمیل کی ہوگی۔ سورۂ قصص میں 'قارون' کے کردار پر تبصرہ کرنے کے بعد ارشاد ہوا:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا	آخرت کا وہ گھر اسے ہم ٹھہرائیں گے ان
لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا	لوگوں کے لیے جو زمین میں سرکشی اور فساد
فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ	نہیں چاہتے۔ اور انجام کار (ایسے ہی) ڈرنے
لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (قصص: ۸۳)	والوں کے لیے ہے۔

اس کے برعکس جو لوگ آخرت کی ابدی ناکامی اور جہنم کے دائمی عذاب سے دوچار ہوں گے ان کا ایک جرم یہ ہوگا کہ دنیا کی زندگی میں خدا کو چھوڑ کر یہ اپنے لیڈروں اور سرداروں کے دام میں گرفتار ہوئے ہوں گے۔ ان کے جاہ و اقتدار سے دھوکہ کھا کر اور ان کی قوت و ثروت کی دھونس میں آکر انھوں نے اپنی فرصت حیات کو ان شیاطین انس کی خواہشات و میلانات کی بھینٹ چڑھا دیا ہوگا:

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ	جس دن کہ ان کے چہرے جہنم میں پلٹیاں
يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ	کھائیں گے وہ کہیں گے اے کاش ہم نے اللہ
اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَآ	کا اور (اس کے) رسول کا کہا مانا ہوتا۔ اور وہ
اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا	کہیں گے کہ ہمارے آقا، ہم نے اپنے سرداروں
فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ	اور بڑوں کا کہا مانا سو انھوں نے ہمیں راستہ
ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ	سے بھٹکا دیا۔ ہمارے آقا! انھیں دوہرا عذاب
لَعْنًا كَبِيْرًا ۝ (احزاب: ۶۶-۶۸)	دے اور ان پر بڑی پھٹکار کر۔

حوالہ جات

۱؎ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۳/۳۶۳ - ترتیب عبدالرحمٰن بن قاسم و ابنہ محمد، طبعہ اولیٰ ۱۳۹۸ھ - الاتقان فی علوم القرآن، مطبعہ ازہریہ، مصر ۱۹۲۵ء طبعہ ثانیہ

۲؎ آیات: ۵۹، ۶۵، ۷۳ اور ۸۵

۳؎ آیات: ۵۰، ۱۶۱ اور ۸۴

۴ه جامع البیان فی تفسیر القرآن : ۲۳/۱۳ ۔مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق ،مصر ۱۳۲۹ہجر ۔

۵ه حوالہ سابق ۔

۶ه بقرہ : ۲۵۶ ، ۲۵۷ ، نساء : ۵۱ ، ۶۰ ، ۷۶ ، مائدہ : ۶۰

۷ه جامع البیان : ۵/ ۷۸ ، مطبعہ میمنیہ ،مصر

۸ه حوالہ سابق

۹ه جامع البیان : ۳۰/ ۱۴۵ ،میمنیہ ،مصر

۱۰ه جامع البیان : ۱/ ۴۲۰ "

۱۱ه تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر : ۴/ ۵۳۷ ۔مکتبہ تجاریہ ،شارع محمد علی ،مصر ۱۹۳۷ء

۱۲ه تفسیر ابن کثیر : ۲/ ۱۹۸ ، طبع مذکور

۱۳ه حوالہ سابق صفحات ۱۹۸ ، ۱۹۹

۱۴ه جامع البیان : ۲۳/ ۱۲۲ ۔مطبعہ کبریٰ امیریہ ۔بولاق ،مصر ۱۳۲۹ھ

۱۵ه حوالہ سابق

۱۶ه غرائب القرآن ورغائب الفرقان علی ہامش ابن جریر : ۲۳/ ۱۲۳ ۔ طبع مذکور

۱۷ه سنن ابن ماجہ ،ابواب الزہد ، باب الریاء والسمعۃ ، اصح المطابع لکھنو

۱۸ه جامع البیان : ۲۳/ ۱۳۰ ۔ طبع مذکور

۱۹ه حوالہ سابق : ۱۳۰/ ، ۱۳۱

۲۰ه آیات ۱۰۸ ، ۱۱۰ ، ۱۲۶ ، ۱۳۱ ، ۱۴۴ ، ۱۵۰ ، ۱۶۳ ، ۱۷۹

۲۱ه جامع البیان : ۱۷/ ۱۱ میمنیہ ،مصر

۲۲ه ابن کثیر : ۳/ ۱۹۴ ۔ طبع مذکور

علم قرآن عہد سلطنت کے ہندوستان میں

ڈاکٹر ظفر الاسلام

عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں مذہبی علوم وفنون کی نشر واشاعت اس کی علمی وتمدنی سرگرمیوں کا ایک اہم باب ہے۔ معاصر وغیر معاصر دونوں قسم کے مآخذ میں اس دور میں مذہبی علوم کی ترویج وترقی اور اصحاب علم وفضل کے کارناموں کی تفصیلات ملتی ہیں۔ اس دور بالخصوص اس کے پہلے حصہ کی بابت جو عہد سلطنت (۱۲۰۶ء — ۱۵۲۶ء) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے عام طور پر یہ مشہور ہے کہ اس میں فقہ علماء کی خصوصی توجہ کا مرکز بنا اور تدریسی وتصنیفی سرگرمیاں زیادہ تر اسی میدان میں نمایاں ہوئیں اور مزید یہ کہ سلاطین کی علمی دلچسپی کا مظہر بھی خاص طور پر فقہ ہی کا میدان رہا۔ اس سے فطری طور پر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اس عہد میں فقہ کے بالمقابل تفسیر وحدیث کو نظر انداز کیا گیا یا انھیں وہ اہمیت نہ دی گئی جس کے یہ علوم دینیہ مستحق تھے لیکن تاریخی مآخذ اور علماء کے تذکروں میں اس عہد کی تدریسی وتصنیفی سرگرمیوں اور علمی خدمات سے متعلق جو مواد بکھرا پڑا ہے ان کے مطالعہ وتجزیہ سے ایک دوسرا تاثر ابھرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ فقہ کے ساتھ ساتھ تفسیر وحدیث کے میدان میں بھی معاصر علماء نے نہ صرف دلچسپی لی بلکہ ان علوم میں ان کے کارنامے قدر وقیمت کے اعتبار سے دوسرے مذہبی علوم سے کچھ کم نہ تھے[1] یہ اور بات ہے کہ مورخین وتذکرہ نگار فقہی سرگرمیوں اور فقہاء کے کارناموں کو کچھ زیادہ نمایاں انداز میں پیش کرتے ہیں خواہ فقہ کی جانب اپنے ذہنی رجحان کی وجہ سے یا درباری وسیاسی حلقوں میں اس کی مقبولیت کی بنا پر یا کسی اور سبب سے۔ ذیل میں علم قرآن میں عہد سلطنت کے علماء کی دلچسپیوں اور ان کی تدریسی وتصنیفی خدمات کا ایک مطالعہ پیش کیا جارہا ہے۔ اس سے اس عہد میں قرآنی علوم کی نشر واشاعت کا کچھ اندازہ ہوگا اور اس میدان میں علماء وقت کے کارناموں کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ زیر بحث موضوع کی تفصیلات میں جانے سے قبل یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ "علم قرآن" ایک نہایت وسیع اصطلاح ہے یہاں میرا مطالعہ

اس عہد کی درسیات میں قرآنی تعلیم کے مقام، علم تفسیر سے علماء کی رغبت اور فن تفسیر میں تصنیفی وتالیفی کارناموں کے جائزہ تک محدود ہوگا۔

مسلمانوں میں ناظرہ قرآن کی تعلیم کا رواج ہمیشہ رہا ہے اس ضمن میں عہد سلطنت کوئی استثنائی حیثیت نہیں رکھتا لیکن اس عہد کا امتیاز یہ تھا کہ فن تجوید یا صحت مخارج کے ساتھ قرآن پڑھانے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ معاصر ماخذ میں یہ صراحت ملتی ہے کہ اس وقت مکاتب ومدارس میں قرآن پڑھانے کے لیے ایسے اساتذہ کا تقرر کیا جاتا تھا جو فن تجوید یا قرأت میں مہارت رکھتے تھے، یہ ماہرین فن "مقری" یا "قرآن خواں" کے لقب سے معروف ہوتے تھے[۵۲] عہد سلطنت میں جو علماء خاص طور سے اس فن میں ممتاز تھے اور مقری کے لقب سے مشہور تھے وہ تھے علاء الدین مقری، جمال الدین شاطبی، خواجہ زکی الدین دہلوی اور علاء الدین نیلی، یہ دہلی کے معروف اساتذۂ قرآن میں سے تھے جن سے لوگ کثیر تعداد میں فیضیاب ہوئے، معاصر مورخ ضیاء الدین برنی کے بقول یہ فن قرأت پر اس درجہ عبور رکھتے تھے کہ خراسان وعراق میں ان کا ہمسر ملنا مشکل تھا[۵۳] اس وقت قرآن کی تعلیم میں فن تجوید کو جو اہمیت دی جاتی تھی اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ غلاموں و نومسلموں کے سلسلہ میں بھی اس کا اہتمام کیا جاتا تھا یہاں تک کہ اس فن کے بعض اساتذہ اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ اپنے اولین استادوں میں شادی مقری کا ذکر کرتے ہیں جن سے انھوں نے بچپن میں بدایوں میں قرآن شریف پڑھا تھا۔ فوائد الفواد (ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاؒ، مرتبہ امیر حسن سنجری) سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ شادی مقری ایک آزاد شدہ غلام تھے اور قرأت سبعہ سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے، ان کے آقا خواجگی مقری بھی اس فن کے ماہر تھے[۵۴] اور یہ عین ممکن ہے کہ ان کے آقا ہی نے انھیں اس فن کی تعلیم دی ہو۔ شیخ نظام الدین ابوالموید کے ارادت مندوں اور عہد بلبنی کے مشہور قاریوں میں قاسم مقری بھی تھے یہ فن تجوید کی تعلیم دینے کے علاوہ اپنے پیر ومرشد کی مجلس میں لوگوں کو اپنی قرأت سے محظوظ کرتے تھے جیسا کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے خود شیخ نظام الدین ابوالموید کی ایک مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے قاسم مقری کا تذکرہ کیا ہے[۵۵] خود شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں سے شیخ شہاب الدین دہلوی فن تجوید وقرأت میں اپنی مہارت کے لیے مشہور تھے، اور بقول صاحب سیر الاولیاء ان کی آواز "لحن داؤدی" کا سا اثر رکھتی تھی ان کی اسی خصوصیت کی بنا پر شیخ نے انھیں امامت نماز کی خدمت سپرد کی تھی جو تاحیات جاری رہی[۵۶] عہد سلطنت

فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ (الحج: ۵)

تو دیکھو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر منی کے ایک قطرہ سے، پھر بستہ خون، پھر ایک لوتھڑے سے، کسی کی صورت گری ہوتی ہے، کسی کی سرے سے صورت گری نہیں ہوتی۔

اس کے بعد متنبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ حجت قائم کرنا چاہتا ہے، فرمایا:

لِنُبَيِّنَ لَكُمْ

تاکہ ہم تمہارے سامنے واضح کردیں۔

پھر یوم بعث کی تاخیر کی وجہ سے منکرین کو اس کے بارے میں جو شبہ ہوتا ہے اس کے ازالہ کے لیے دوسری دلیل پیش کی:

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا (ج: ۵)

اور ہم رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں جسے چاہتے ہیں ایک مدت معین کے لیے پھر ہم تم کو ایک بچہ کی شکل میں برآمد کرتے ہیں۔ پھر تم کو کمال توانائی تک پہنچنے دیتے ہیں۔ اور تم میں سے بعض پہلے ہی مرجاتے ہیں اور بعض بے بسی کی آخری حد کو پہنچتے ہیں اور یہ نوبت آجاتی ہے کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد کچھ بھی نہیں جانتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے اپنی خلقت کے لیے اوقات مقرر کیے ہیں، پھر جسے چاہتا ہے مقدم یا موخر کرتا ہے۔ اس میں وقوع قیامت کی بھی دلیل ہے کیونکہ ہر شر آمیز مخلوق کے لیے ایک متعین مدت مقرر ہے، اگر ایسا نہ ہو تو شر ہمیشہ باقی رہے گا اور وہ اعلیٰ خیر ظہور میں نہ آسکے گا جس کے لیے اس عالم کو بدیہی طور پر اس شکل میں پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی اس میں خیر و شر دونوں کا وجود ہے اس لیے اسے ایک روز ضرور ختم ہونا ہے۔

پھر بعث بعد الموت پر ایک اور دلیل پیش کی، فرمایا:

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ

اور تم زمین کو دیکھتے ہو کہ بے دم پڑی ہوئی ہے اور جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو اس میں جان آجاتی ہے اور ابھر آتی ہے

کے آخری حصہ (یعنی پندرہویں صدی عیسوی کے خاتمہ اور سولہویں صدی کی ابتدا) میں جو معلمین قرات گزرے ہیں ان میں محمد بن محمود اور سلیمان بن عفان مندوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، تذکروں میں یہ دونوں حضرات کے لقب سے منسوب کیے گئے ہیں۔ محمد بن محمود گجرات کے رہنے والے تھے اور وہاں کے ایک ممتاز عالم راجح بن داؤد کے اساتذہ میں شامل تھے۔[۵] جبکہ سلیمان بن عفان سے قرآن پڑھنے والوں میں چشتی صابری سلسلہ کے مشہور بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا نام بھی مذکور ہے۔ صاحب اخبار الاخیار کے خیال میں وہ فن تجوید میں یکتائے زمانہ تھے (وی در فن تجوید قرآن یگانہ عصر بود)[۶] ان چند ممتاز ماہرین قرات کے علاوہ تقریباً تمام سلاطین دہلی کے عہد میں اہل علم وفن کے ضمن میں "مقریوں" کا عمومی تذکرہ ملتا ہے۔

قرآن کی تعلیم اور اس کی نشر واشاعت سے جو علوم وابستہ ہیں ان میں کتابت قرآن کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے اس دور میں جبکہ طباعت کی سہولتیں مہیا نہ تھیں قرآن کی اشاعت کا یہی واحد ذریعہ تھا اس لیے اس فن کی ضرورت واہمیت اپنی جگہ مسلم تھی جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کتابت قرآن ایک نیک مشغلہ تصور کیا جاتا تھا اور خیر وبرکت کا ذریعہ بھی اس لیے اس فن کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور اسے پروان چڑھنے کا موقع ملا جو لوگ اسے وجہ معاش کے طور پر اختیار کرتے تھے وہ اس کا معاوضہ کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ شیخ فخرالدین مروزی محمد بن تغلق کے معاصر اور ۱۴ ویں صدی عیسوی کے نامور علماء میں سے تھے ان کا مستقل مشغلہ کتابت قرآن تھا وہ اپنے کتابت کردہ نسخوں کا ہدیہ صرف فی جزو چہار جیتل کے حساب سے وصول کرتے تھے جبکہ اس وقت بازار میں عام شرح کتابت فی جزو شش گانی تھی۔ اگر کوئی برکت کے طور پر ہم جیتل سے زیادہ دینے کی کوشش کرتا تو اسے قبول نہ کرتے۔[۹] سلطان ناصرالدین محمود کی بابت معاصر مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ انیس سال تک اسی مشغلہ میں مصروف رہے اور اسی سے وجہ کفاف حاصل کرتے رہے ان کے بارے میں یہ بھی شہادت ملتی ہے کہ جب وہ اپنے نسخہ کو بازار میں ہدیہ کرنے کے لیے بھیجتے تو خریدار سے کاتب کا نام پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے تاکہ سلطان کا نسخہ سمجھ کر کوئی زیادہ قیمت نہ لگائے۔[۱۰] عہد سلطنت میں قرآن کی کتابت کے لیے نہ صرف عام طرز کتابت اختیار کیا جاتا تھا بلکہ اس میں کتابت کے اعلیٰ نمونے اور فن خطاطی کا مظاہرہ بھی کیا جاتا تھا اسی دہلی میں جہاں قرآن کا مکمل نسخہ ایک یا دو تنکہ ہدیہ کے عوض دستیاب تھا[۱۱] بعض کاتبوں کے نسخہ کا ہدیہ پانچ سو تنکہ تک ہوتا تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بیان کے مطابق جلال الدین مانکپوری (متوفی ۱۳۲۵ء) کی کتابت اس قدر خوبصورت اور معیاری ہوتی تھی کہ ان کے کتابت کردہ قرآن کے نسخے دہلی میں بآسانی پانچ سو تنکہ ہدیہ میں فروخت ہو جاتے تھے[۱۲] یہ عین ممکن ہے کہ ان کے نسخے مطلا و مذہب بھی ہوتے رہے ہوں۔ اُس دور میں کتابت قرآن میں دلچسپی اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ اس فن سے واقف نہیں تھے وہ قرآنی نسخوں کی تصحیح میں رغبت رکھتے تھے اور اس کو باعث سعادت تصور کرتے تھے۔

قرآنی تعلیم کے اِن ابتدائی مدارج اور قرآنی علوم کے ان سادہ مظاہر کے علاوہ اس ضمن میں اس عہد کے دوسرے کارناموں اور علماء کی خدمات کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ یہاں سب سے پہلے عہد سلطنت کی درسیات میں تفسیر کا مقام واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت کی درسیات کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ اس میں فقہ کا عنصر غالب تھا اور یہ کہ مدارس اور علماء کے انفرادی مرکزوں میں فقہ ہی کی تعلیم پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ لیکن اس عہد کے نصاب کا تجزیاتی مطالعہ بالخصوص فقہ و تفسیر کے نصاب کا موازنہ اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ تفسیر کا نصاب کسی بھی حیثیت سے فقہ سے کمتر نہ تھا۔ اس وقت فقہ کے مروجہ نصاب میں مختصر القدوری، مجمع البحرین[۱۳] اور ہدایہ تین کتابیں شامل تھیں اول الذکر دونوں کتابیں "علم ضروری" کے نصاب کا جز تھیں جس کی تکمیل کے بغیر کوئی اس زمانہ کی اصطلاح میں "دانش مند" کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا تھا[۱۴] ہدایہ علم ضروری سے آگے بڑھ کر "فضل" یا "منتہیانہ" درجہ کے نصاب میں شامل تھی[۱۵] اسی کے بالمقابل تفسیر کی درسیات میں بھی تین کتابیں۔ تفسیر مدارک، بیضاوی و کشاف۔ رائج تھیں ان تینوں میں کشاف کو خصوصی اہمیت حاصل تھی[۱۶] اس کی وجہ یہ تھی کہ آیات کریمہ کی ترجمانی و تشریح کے ضمن میں الفاظ کی لغوی تحقیق، وجوہ اعراب اور علم بیان و معانی کے مسائل سے جس انداز سے اس میں بحث کی گئی ہے وہ دوسری تفسیروں میں نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ لغوی و لسانیاتی تحقیق کے ساتھ فہم قرآن کا مادہ پیدا کرنے کے لیے یہ تفسیر بہت مفید سمجھی جاتی ہے گرچہ صاحب تفسیر کے عقائد و نظریات کی وجہ سے یہ ہمیشہ محل نظر رہی ہے۔ عہد زیر بحث میں اس کی مقبولیت کا ثبوت اس سے بھی فراہم ہوتا ہے کہ اس عہد کے متعدد ممتاز علماء (مثلاً فرید الدین شافعی، نصیر الدین محمود بن یحییٰ اودھی، شمس الدین یحییٰ اودھی، سید محمد کرمانی، قاضی عبدالمقتدر، قاضی شہاب الدین دولت آبادی وغیرہم) کے تذکرہ

میں درسی کتابوں کے ضمن میں خصوصیت سے کشاف کے پڑھنے پڑھانے کا حوالہ ملتا ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض معاصر صوفی لٹریچر سے جہاں اس تفسیر کی مذمت ظاہر ہوتی ہے وہیں صوفیوں کے حلقوں میں اس کے پڑھنے پڑھانے اور مطالعہ کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔[۱۷] خود شیخ نظام الدین اولیاء اور ان کے مریدوں کے ضمن میں اس کے متعدد تذکرے ماخذ میں موجود ہیں، اس تفسیر سے شیخ کی دلچسپی اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے ایک مرید رکن الدّین چغمر نے جو خوشخط کے لیے مشہور تھے درسی کتابوں میں خاص طور سے کشاف کا قلمی نسخہ ان کی خدمت میں پیش کیا جسے انھوں نے بخوشی قبول کیا۔[۱۸] بہر حال اپنی فنی خصوصیات کی وجہ سے تفسیری درسیات میں کشاف کی مقبولیت پورے عہد سلطنت میں باقی رہی اور علماء کی اس سے دلچسپی برقرار رہی اور قابل غور امر یہ ہے کہ اسے عمومی درسیات سے اس وقت خارج کیا گیا جب کہ مغل دور کے آخر میں درسی نصاب ترمیمی مراحل سے گذرا،[۱۹] البتہ کشاف سے مناسبت قائم رکھنے کے لیے تفسیر بیضاوی (جو اصلاً تفسیر کشاف و رازی سے مستفاد ہے) کے منتخب اجزاء باقی رکھے گئے۔[۲۰] ان تفصیلات سے بخوبی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عہد سلطنت میں تفسیری نصاب دیگر دینی علوم سے کمتر نہ تھا اور اگر تفسیری نصاب کا اختصار یا ہلکا پن تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ حقیقت نگاہوں سے نہیں اوجھل ہونی چاہیے کہ اس وقت کی درسیات زیادہ تر تمرینی نوعیت کی تھیں اور ان سے مقصود طلبہ میں سوچنے و سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا اور مطالعہ کی استعداد بڑھانا تھا تاکہ وہ از خود مختلف مضامین کی کتابیں پڑھنے اور ان کے مطالب گرفت کرنے کے لائق ہو جائیں اسی نقطۂ نظر سے ہر فن کی منتخب کتابیں نصاب میں رکھی جاتی تھیں جو عموماً مجمل اور لغوی و فنی اعتبار سے پیچیدہ ہوتی تھیں، غور و فکر کا عادی بنانے اور قوت فہم تیز کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا کہ ہر مضمون کے لیے لمبا چوڑا نصاب متعین کیا جائے یا درسیات میں کتابوں کی لمبی فہرست شامل کی جائے۔

عہد سلطنت میں نہ صرف یہ کہ تشریح و ترجمانی کے ساتھ قرآن کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا اور تفسیر درسیات کا ایک لازمی جز تھا بلکہ اس فن میں گہری دلچسپی اور مہارت تامہ رکھنے والے علماء و فضلاء بھی اس وقت پائے جاتے تھے۔ انھوں نے خواہ مدارس میں مسند تدریس کو زینت بخشا یا انفرادی مجالس کے ذریعہ علم کی روشنی پھیلائی یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ان کے ذریعہ قرآن فہمی کا ذوق پروان چڑھا اور فن تفسیر کو رواج ملا اور اہم بات یہ ہے کہ ان میں

ہندوستانی نژاد علما بھی شامل تھے جو اُسی تعلیمی نظام کے پروردہ اور مروجہ درسیات سے فیضیافتہ تھے جس سے علم تفسیر وحدیث سے پہلوتہی منسوب کی جاتی ہے۔ ہندوستان کے مسلم عہد کے ابتدائی دور کے علمار تفسیر میں سید محمد اسمٰعیل بخاری (متوفی ۱۰۵۲ھ) کا نام سرفہرست آتا ہے جو محمود غزنوی (۹۹۸ - ۱۰۳۰ء) کے معاصرین میں سے تھے یہ اصلاً بخارا کے رہنے والے تھے جیسا کہ ان کی نسبت سے واضح ہے اور ۱۱ویں صدی کے شروع (۱۰۰۴ء) میں لاہور میں سکونت پذیر ہوئے ہمارے آخذ کا عام طور پر اس پر اتفاق ہے کہ وہ علم تفسیر وحدیث دونوں میں خصوصی دستگاہ رکھتے تھے اور لاہور میں پہلے پہل ان علوم کی اشاعت انھیں کی مرہون منت تھی[۲۱] سلطان شہاب الدین غوری (۱۱۷۵-۱۲۰۶ء) کے معاصرین میں سید مرتضیٰ کوفی (متوفی ۱۱۹۴ء) تفسیر وحدیث کے مشہور عالم گزرے ہیں۔ ان کی علمی صلاحیت بالخصوص دینی علوم میں مہارت سلطان کی توجہ کا باعث بنی اور وہ مقربین بارگاہ میں شامل کیے گئے، ان میں سپاہیانہ اوصاف بھی بدرجہ اتم پائے جاتے تھے اس لیے سلطان نے ان کے علم وفضل سے استفادہ کے علاوہ اپنے فاتحانہ اقدامات میں بھی ان کی صلاحیتوں کو استعمال کیا[۲۲]۔ بیرون ہند سے آنے والے علمار میں جو علم تفسیر میں اپنا امتیاز رکھتے تھے مولانا نجم الدین دمشقی بھی شامل ہیں۔ یہ سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶-۱۲۸۶ء) کے زمانہ کے مشہور علمار میں سے تھے معاصر مورخ ضیاء الدین برنی کے بقول یہ صاحب تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کے شاگرد تھے اور سلطان کو ان سے خاص عقیدت تھی[۲۳] ایک دوسرے مورخ نور الحق دہلوی نے انھیں امام رازی کے "شاگرد خاص" کی حیثیت سے ذکر کیا ہے[۲۴] علم تفسیر میں نجم الدین دمشقی کی دلچسپی اور سلطان کا ان سے تعلق یقیناً اس علم کی اشاعت کا سبب بنا ہوگا۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ غیاث الدین بلبن نے اپنے بیٹوں (شہزادہ محمد ومحمود) کو مختلف موقعوں پر جو نصیحتیں کی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ انھیں اپنے دار السلطنت کو علمار ومشائخ، مفسرین ومحدثین اور دوسرے اہل علم وہنر سے معمور رکھنا چاہیے[۲۵]

سلاطین دہلی میں علاء الدین خلجی کا زمانہ (۱۲۹۶ - ۱۳۱۶ء) علمی وتمدنی ترقی کے لیے معروف ہے۔ ضیاء الدین برنی کے بیان کے مطابق تفسیر فقہ واصول فقہ اصول دین ومعقولات، نحو ولغت اور کلام ومنطق جیسے مختلف علوم میں ید طولیٰ رکھنے والے علمار اس وقت زینت آرائے دار السلطنت تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے فن میں یگانہ ومنفرد تھا یہاں تک کہ معاصر اسلامی دنیا میں ان کا ہمسر ملنا مشکل تھا۔ خود برنی کے اپنے الفاظ میں "ودر تمامی

عصر علائیؒ در دار الملک دہلی علمامی بودند کہ انچناں استادان کہ ہر یکی علامہ وقت و در بخارا و در سمرقند و بغداد و مصر و خوارزم و دمشق و تبریز و سفاہاں و ری و روم و در ربع مسکوں نباشند[۲۶]
قرآن کی تشریح و ترجمانی اور اس کی تفسیر میں عہد علائیؒ کے جن علماء کو خصوصی ملکہ حاصل تھا ان کے ضمن میں مذکور مورخ نے مولانا ضیاء الدین سُنامی اور مولانا شہاب الدین خلیلی کا ذکر کیا ہے۔ اول الذکر اپنے تبحر علمی اور شریعت کی سخت پابندی کے لیے مشہور تھے ہفتہ میں ایک روز ان کی خصوصی مجلس منعقد ہوتی تھی جس میں ہزاروں لوگ ان کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہونے کے لیے شریک ہوتے تھے۔ اس مجلس میں وہ خاص طور سے قرآنی آیات پیش کرتے اور ان کے معانی و مطالب کی وضاحت فرماتے[۲۷] ان کی کتاب "نصاب الاحتساب" میں بھی قرآنی آیات و احادیث نبوی کے جا بجا حوالے ملتے ہیں۔ صاحب نزہۃ الخواطر فن تفسیر میں ان کی مہارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "للسنامی الیدالبیضا فی تفسیر القرآن وکشف حقائقہ"[۲۸]
مولانا شہاب الدین خلیلی بھی اس عہد کے مشہور مذکرین (واعظین) میں سے تھے ان کے درس کا بیشتر حصہ قرآنی آیات کی وضاحت پر مشتمل ہوتا تھا جو یقیناً فہم قرآنی میں ادراک اور قرآنی تعلیمات میں ان کی دلچسپی کا مظہر تھا[۲۹] اسی دور کے ایک دوسرے عالم فریدالدین شافعی اودھی تھے۔ عربی زبان و ادب اور علوم دینیہ بالخصوص علم تفسیر میں اپنی مہارت کے لیے ممتاز تھے، اودھ کے شیخ الاسلام تھے اور اسی کے ساتھ تعلیمی و تدریسی مصروفیات بھی جاری رہتی تھیں، مروجہ کتب میں خاص طور پر وہ کشاف کے درس کے لیے مشہور تھے ان کے تفسیری درس سے اودھ کے متعدد معاصر علماء مستفید ہوئے[۳۰] عہد علائیؒ کے علماء میں قاضی محی الدین کاشانی (متوفی ۱۳۱۹ء) بھی علوم تفسیر، حدیث و فقہ میں ایک امتیازی مقام رکھتے تھے، اپنے علم و فضل اور تدریسی خصوصیات کی وجہ سے "استاد شہر دہلی" کے لقب سے مشہور تھے، شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں سے تھے اور ان کی مجلس میں احادیث کی تشریح فرماتے تھے اور اس ضمن میں قرآنی آیات سے مثالیں بھی پیش کرتے تھے[۳۱]

خلجی خاندان کے مثل تغلق سلاطین کا زمانۂ حکومت بھی علمی سرگرمیوں کے لیے معروف ہے۔ ان سلاطین میں محمد تغلق (۱۳۲۴-۱۳۵۱ء) اور فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) نے علوم و فنون کی اشاعت میں بڑی دلچسپی لی اور خاص طور سے مذہبی علوم ان کی توجہ کا مرکز بنے[۳۲] یہ عہد بھی علم تفسیر کی ترویج اور علماء تفسیر کی تعداد کے اعتبار سے دور سابق سے

کمتر نہ تھا اس عہد کے اساتذہ تفسیر میں خصوصیت سے مولانا شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی (متوفی ۱۳۴۶ء) شیخ علاء الدین نیلی اودھی (متوفی ۱۳۶۱ء) شیخ نصیر الدین محمود بن یحییٰ اودھی (متوفی ۱۳۵۶ء) کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اول الذکر دونوں ماہر کشاف مولانا فرید الدین شافعی کی علمی مجلس کے فیض یافتہ اور ان کے ممتاز شرکاء درس میں سے تھے۔ ان دونوں نے تحصیل علم کے بعد دہلی میں درس و افادہ کا سلسلہ شروع کیا اور تفسیر کے بہترین استاد کی حیثیت سے مشہور ہوئے[۳۲] گرچہ اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ملتا کہ شیخ نصیر الدین محمود نے مولانا فرید الدین سے کشاف کی تعلیم حاصل کی لیکن یہ صراحت ضرور ملتی ہے کہ ان کے اساتذہ میں مولانا شمس الدین محمود بن یحییٰ (تلمیذ مولانا فرید الدین) بھی شامل تھے۔ شیخ نصیر الدین کا محبوب مشغلہ درس و تدریس تھا اور مذکورہ بالا علماء اودھ کے مثل ان کی تدریسی خدمات بھی دہلی میں جاری ہوئیں۔ ان سے کشاف پڑھنے والوں میں اس عہد کے مشہور عالم قاضی عبد المقتدر دہلوی بھی تھے جن سے صاحب تفسیر بحر مواج قاضی شہاب الدین دولت آبادی جیسے متبحر علماء نے استفادہ کیا[۳۳] شیخ نصیر الدین محمود کے خلفاء اور محمد تغلق کے معاصرین میں شیخ کمال الدین علامہ دہلوی (متوفی ۱۳۵۶ء) علم تفسیر و حدیث میں خصوصی دستگاہ رکھتے تھے۔ تذکرہ نگاروں کے خیال میں وہ تفسیر و حدیث و فقہ میں غیر معمولی تبحر کی وجہ سے "علامہ" کے لقب سے مشہور تھے صاحب تذکرہ علماء ہند کے الفاظ میں "وچونکہ وی بحدیث و تفسیر و فقہ و اصول یگانۂ روزگار بود و یرا اعلامی گفتند"[۳۴] شیخ یوسف دہلوی (متوفی ۱۳۷۳ء) بھی جن کی علمی خدمات محمد تغلق اور فیروز شاہ تغلق دونوں کے عہد سے تعلق رکھتی تھیں، علوم دینیہ (تفسیر، حدیث و فقہ) کے ماہرین میں شمار کیے جاتے تھے صدائق الحنفیہ کے مصنف کے بقول وہ "عالم علوم ربانی اور ماہر فقہ و حدیث و تفسیر تھے"[۳۵] فیروز شاہ کے زمانہ میں جو دینی علوم کی نشر و اشاعت کے لیے پورے عہد سلطنت میں سب سے زیادہ مشہور رہے مولانا جلال الدین رومی قرآنی علوم سے پوری طرح بہرہ ور تھے اسی خصوصیت کی بنا پر سلطان نے انھیں دار السلطنت کے عظیم الشان مدرسہ، مدرسۂ فیروز شاہی میں تدریس کی خدمت تفویض کی جس میں وہ تا حیات مصروف رہے اور علم تفسیر و حدیث و فقہ کی اشاعت کرتے رہے۔ ان کی تدریسی خدمات سے بہت سے لوگ فیضیاب ہوئے جن میں شیخ یوسف بن جمال ملتانی (متوفی ۱۳۸۸ء) بھی شامل تھے معاصر مورخ برنی ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "و مولانا جلال الدین رومی کہ بس استادی متفنن است دایماً در منصب افادت سبق

علوم دینی می گوید و متعلمان را ہموارہ تعلیم می کنند و تفسیر و حدیث و فقہ می خوانند[۳۶] عہد فیروز شاہی میں قرآنی علوم کی ترویج و ترقی اس سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ بعض وزراء (مثلاً تاتار خاں) نے بھی علم تفسیر میں دلچسپی لی اور علماء کی ایک منتخب مجلس کی مدد سے تفسیر کا ایسا ضخیم مجموعہ (تفسیر تاتار خانی) مرتب کرایا جو ہر آیت کی تشریح سے متعلق گزشتہ تمام مفسرین کے خیالات اور ان کی اختلافی رایوں کی وضاحت پر مشتمل تھا[۳۷] ظاہر ہے کہ ایسی تفسیر کی ترتیب عمل میں نہیں آسکتی تھی اگر ماہرین قرآنیات کی ایک جماعت اس وقت موجود نہ ہوتی۔

۱۴ویں صدی کے ہندوستان میں تغلق سلاطین کی معارف پروری اور معاصر علماء کی توجہ سے علم تفسیر و دیگر مذہبی علوم سے جو دلچسپی بڑھ گئی تھی وہ اس دور کے خاتمہ پر انتشار کے حالات میں یقیناً کچھ متاثر ہوئی لیکن بعد میں لودی سلاطین بالخصوص سلطان سکندر لودی (۱۴۹۸-۱۵۱۷ء) کی علم دوستی اور علوم و فنون کی اشاعت میں ان کی رغبت سے علمی سرگرمیاں بحال ہوئیں اور مذہبی علوم کی ترقی کے مواقع پھر پیدا ہوئے اس دور میں حدیث و فقہ کے ساتھ تفسیر کے میدان میں علماء کی دلچسپیاں بڑھیں جیسا کہ معاصر مآخذ سے اس کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ ۱۵ویں صدی کے نصف اول میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی (متوفی ۱۴۴۵ء) نے اپنی علمی فضیلت اور تدریسی و تصنیفی خدمات کے لیے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ ان کا مولد دولت آباد تھا، تعلیم و تربیت کی تکمیل دہلی میں ہوئی اور ان کی عملی سرگرمیاں جونپور میں جاری ہوئیں جو اس وقت شرقی سلطنت کا پایہ تخت اور علم و فضل کا مرکز تھا۔ سلطان ابراہیم شرقی (۱۴۰۱ - ۱۴۴۰ء) ان کے تبحر علمی سے بہت متاثر تھا، یہی وجہ ہے کہ اس نے انھیں "ملک العلماء" کے خطاب سے نوازا اور ان کی قدر و منزلت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ انھوں نے مختلف موضوعات پر تالیفی کارنامے انجام دیے اور ایک تفسیر بھی مرتب کی جس کا مفصل ذکر بعد میں آئے گا[۳۸] قاضی شہاب الدین کے ہم عصروں میں شیخ حسام الدین مانک پوری (متوفی ۱۴۴۹ء) فہم قرآن کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ اس عہد کے مشہور مشائخ میں سے تھے اور شرعی علوم سے مزین تھے، وہ قرآن میں غور و فکر کرتے اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ اس سلسلہ میں ان کے اہتمام کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ تفسیر مدارک اپنے پاس رکھتے تھے اور جب بھی کسی آیت کے سمجھنے میں دشواری محسوس ہوتی تو وہ اس تفسیر سے رجوع کرتے مزید برآں وہ بار بار اس نکتہ پر زور دیتے

تھے کہ معنی و مطلب کی جانکاری کے ساتھ قرآن کی تلاوت میں ایک خاص لطف ملتا ہے۔[۹۵] مشائخ کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے ایک دوسرے عالم جو سکندر لودی کے ہم عصر اور ۱۵ ویں صدی میں علم تفسیر میں دلچسپی اور تفسیری کتب کے درس کے لیے مشہور تھے وہ خواجہ حسین ناگوری (متوفی ۱۴۹۶ء) تھے۔ یہ شیخ حمید الدین ناگوری کی خاندان سے تھے اور بقول شیخ عبد الحق محدث "جامع شریعت و طریقت" تھے۔ مروجہ علوم کی تکمیل کے بعد اپنے وطن ناگور میں ارشاد و تلقین اور علوم دینیہ کی اشاعت میں مصروف رہے۔ ان کے روزانہ کے معمولات میں تفسیر مدارک کا درس بھی شامل تھا جس کا وہ خاص اہتمام فرماتے تھے۔ ان کی تصنیفی یادگار میں ایک تفسیر بھی ہے جو بعد میں زیر بحث آئیگی۔ اس سے تفسیر میں ان کی گہری دلچسپی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔[۹۶] خواجہ حسین ناگوری کے شاگردوں میں قاضی احمد مجد نارنولوی (متوفی ۱۵۲۱ء) نے بھی اپنے استاد کے مثل قرآنی علوم سے گہرا ربط قائم کیا اور درس و تدریس میں تفسیر پر خصوصی توجہ دی، تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق یہ امام محمد شیبانیؒ کی اولاد میں سے تھے، نارنول میں ان کی پیدائش ہوئی اور عمر کا بیشتر حصہ اجمیر میں بسر ہوا۔ اجمیر میں تقریباً ستر سال قیام کے دوران ان کا خاص مشغلہ دینی و مذہبی کتب کا پڑھنا پڑھانا تھا۔ وہ روزانہ عصر سے مغرب تک تفسیر مدارک کا درس دیتے تھے جبکہ چاشت تا ظہر کے اوقات دیگر درسیات کے لیے وقف ہوتے تھے۔ یہاں یہ ذکر بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ ان کے درس تفسیر پر روشنی ڈالتے ہوئے ہمارے ماخذ یہ وضاحت بھی کرتے ہیں تفسیر مدارک کا درس ان کے مشائخ کے معمولات میں بھی شامل تھا (ایں وظیفہ تفسیر مدارک طریقہ سلوک مشائخ ایشاں است[۹۷]) بہرحال ان تفصیلات سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ عہد سلطنت میں علماء و مشائخ تفسیروں کے مطالعہ کا ذوق رکھتے تھے اور درس و تدریس کے ذریعہ فہم قرآن کی استعداد پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے وہیں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ معاصر علماء (بالخصوص صوفیوں) کے حلقہ میں کشاف کے بعد مدارک کو مقبولیت و اہمیت حاصل تھی۔

عہد سلطنت میں قرآنی علوم سے رغبت اور علم تفسیر میں دلچسپی صرف مروجہ کتب کے پڑھنے پڑھانے اور تفسیری درسیات کے سمجھنے سمجھانے تک محدود نہ تھی بلکہ اس علم کے ماہرین نے اسے تصنیف و تالیف کا بھی موضوع بنایا اور مروجہ درسیات پر شروح و حواشی لکھنے کے علاوہ قرآن کی ترجمانی و تشریح میں مستقل تصنیفات بھی پیش کیں

ان تفسیری تخلیقات کے لیے عربی اور فارسی دونوں ہی زبانوں کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا گیا آیات قرآنی کی تفسیر کے لیے جو انداز بیان اختیار کیا گیا وہ بھی تنوع وندرت سے بھرپور تھا کسی مصنف نے فقہی مسائل کی وضاحت پر زور دیا تو کسی نے اس کی ترجمانی میں صوفیانہ رنگ کا امتزاج کیا، بعض نے قرآنی الفاظ کی لغوی تحقیق اور اس کے ادبی محاسن نمایاں کرنے پر توجہ دی تو کچھ ایسے ماہرین بھی تھے کہ جنھوں نے نظم قرآن اور ربط آیات کے پہلو پر زیادہ زور صرف کیا، ہندوستان میں علم تفسیر میں دلچسپی جیسا کہ اوپر کے بیانات سے ظاہر ہوا عہد سلطنت کی ابتدا ہی سے ملتی ہے لیکن اس میدان میں تصنیفی سرگرمیوں کا ثبوت ۸ ویں صدی ہجری یا ۱۴ ویں صدی عیسوی سے فراہم ہوتا ہے۔ اس دور کی اولین تفسیروں میں غرایب القرآن ورغائب الفرقان شمار کی جاسکتی ہے جس کے بعض اجزا کی تصنیف ہندوستان سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس کے مولف حسن بن محمد تھے جو نظام نیشاپوری کے نام سے معروف تھے۔ جیسا کہ نسبت سے واضح ہوتا ہے ان کا اصل وطن نیشاپور (ایران) تھا جہاں انھوں نے اس تفسیر کی ابتدا کی لیکن اس تفسیر میں سورہ نساء کے خاتمہ پر جو عبارت (کتب المصنف فی نسختہ علقہ مولفہ الحسن بن محمد حسن المشتہر بنظام نیشاپوری ببلاد الہند فی دار مملکتہا المدعو بدولت آبادی فی اوائل صفر ۷۳۰ھ[۴۳]) درج ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولف محمد بن تغلق کے زمانہ میں ہندوستان منتقل ہوئے اور اپنی تفسیر کے اس حصہ کی تکمیل انھوں نے یہیں اور غالباً شہر دولت آباد میں ۷۳۰ھ (۱۳۲۹ء) میں کی۔ اس تفسیر کے سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ایران کے مطبوعہ نسخوں میں اور مولانا مناظر احسن گیلانی کے مطابق[۴۴] بعض مخطوطات میں بھی آیات کا ترجمہ فارسی میں بھی درج ہے جبکہ پوری تفسیر عربی میں ہے۔ لیکن تفسیر طبری کے حاشیہ پر مصر سے ۱۳۲۱ھ میں اس کا جو نسخہ چھپا ہے اس میں کہیں فارسی ترجمہ نہیں ملتا۔ یہاں یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس تفسیر کا آخری حصہ ۷۲۸ھ میں لکھا گیا جبکہ اس کے شروع کے اجزا ۷۳۰ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچے جیسا کہ مطبوعہ نسخوں میں خاتمہ کی عبارت میں درج ہے۔[۴۵] اس میں شبہ نہیں کہ غرائب القرآن ورغائب الفرقان ایک عظیم تفسیری کارنامہ ہے لیکن اس کی اصلیت بالخصوص ہندوستان میں اس کی تکمیل کا مسئلہ اور مولف کے حالات اب بھی تحقیق طلب ہیں۔ عہد سلطنت کی تفسیروں میں تفسیر سراج الہندی اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس کے مصنف ابوحفص عمر بن اسحاق سراج الہندی (متوفی ۱۳۷۲ء) نظام نیشاپوری کے برعکس ہندی الاصل تھے اور تحصیل علم کے بعد مصر میں سکونت اختیار کی اور

فقہی علوم میں مہارت کی وجہ سے قاہرہ کے قاضی القضاۃ مقرر کیے گئے، ان کے اساتذہ میں وجیہ الدین دہلوی، سراج الدین ثقفی دہلوی اور رکن الدین بدایونی قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں جن میں ایک عربی تفسیر بھی شامل ہے[۴۴]۔ خالص ہندوستانی تفسیروں میں میرے علم کے مطابق لطائف التفسیر کا نام سرفہرست آتا ہے اس کے مصنف شیخ نظام الدین اولیاء کے خواہرزادہ قاسم بن عمر دہلوی تھے۔ ان کی نشوونما دہلی میں ہوئی اور مروجہ درسیات بشمولیت کشاف کی تکمیل مولانا جلال الدین دہلوی کے ہاتھوں ہوئی سید محمد کرمانی نے لطائف التفسیر کے دیباچہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ صاحب تفسیر کو قرآنی علوم سے خاص رغبت تھی اور انھوں نے متعدد عربی و فارسی تفسیروں کے مطالعہ کے بعد ایسی تفسیر مرتب کرنے کا ارادہ کیا جو قرآن کے اسرار و نکات کی وضاحت پر مشتمل ہو اور عوام و خواص دونوں کے لیے مفید ہو۔ خود سید کرمانی کے الفاظ میں "خواست تا مجموعہ نویسد کہ متضمن معانی غریب و شامل لطائف عامہ تفسیر باشد تا منافع بخاص و عام رسد و بمطالع آں بر اسرار قرآں و دقایق فرقان مطلع گردند و نام ایں تفسیر لطائف تفسیر کردہ"[۴۵]۔ اُس وقت مروجہ درسیات پر شروح و حواشی لکھنے کا جو رواج تھا اس سے تفسیری کتب بھی مستثنیٰ نہ تھیں، اُس عہد میں کم از کم کشاف کی ایک شرح لکھے جانے کا ثبوت ملتا ہے جو "کشف الکشاف" کے نام سے معروف ہوئی، اس کے مولف مخلص بن عبداللہ دہلوی (متوفی ۷۶۳ھ) تھے، تفسیر و فقہ دونوں ان کی دلچسپی کے خاص موضوع تھے۔ ہدایہ کی شرح بھی لکھنی شروع کی لیکن اسے مکمل نہ کرسکے، عام طور پر تذکرہ نگاروں نے ان کی شرح ہدایہ کا ذکر کیا ہے اور کشف الکشاف سے خاموشی اختیار کی ہے[۴۶]۔ البتہ صاحب نزہۃ الخواطر نے مجد الدین فیروزآبادی (الالطاف الخفیہ فی اشراف الحنفیہ) کے حوالہ سے ان کی تالیفات میں کشف الکشاف کو بھی شامل کیا ہے[۴۷]۔ ۱۴ ویں صدی عیسوی میں لکھی جانے والی تفسیروں میں تفسیر تاتارخانی یقیناً ایک خصوصی اہمیت کی حامل ہے یہ عہد فیروزشاہی کے ممتاز و مشہور وزیر امیر تاتارخاں کی ایما پر مرتب کی گئی، سلطنت کے ایک اہم رکن ہونے کے ساتھ ساتھ وہ علم کے دلدادہ تھے اور اس کی اشاعت میں بڑی دلچسپی لیتے تھے، علماء کی مجلسیں منعقد کرتے اور ان سے تبادلہ خیال کرتے۔ تفسیر تاتارخانی اور فتاوای تاتارخانی جوان کے حکم سے مرتب کیے گئے ان کی علمی دلچسپی کے خاص مظہر ہیں، تفسیر مرتب کرنے کے لیے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا انھوں نے علماء کی ایک مجلس تشکیل دی اور اسے ہدایت دی کہ تفسیر کا

زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ اور طرح طرح کے خوشنما نباتات اگلنے لگتی ہے۔

تفصیل سے دلیل بیان کرنے کے بعد کلام نے اجمال کا رخ اختیار کر لیا، فرمایا:

(۱) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ (ج:۵) یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے۔

چنانچہ وہ کسی چیز کو بے کار اور بے مقصد پیدا نہیں کرتا۔

(۲) وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى (ج:۶) اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے

جیسا کہ اس نے تمہیں نطفہ سے پیدا کیا اور مردہ زمین کو زندہ کیا۔

(۳) وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (ج:۶) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کیونکہ حیات کو وجود بخشنا سب سے مشکل کام ہے۔ کوئی صنعت و قدرت اس سے بڑھ کر نہیں۔ اسی طرح کسی اور چیز پر تصرف کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا موت پر۔ جس ذات کو موت پر تصرف کرنے کی قدرت حاصل ہو اور وہ زندگی بخشنے پر بھی قادر ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۴) وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا (ج:۷) اور قیامت آکے رہے گی اس میں ذرا شبہ نہیں۔

جب تم نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کے مختلف اوقات مقرر ہیں اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ وہ حق ہے چنانچہ کوئی کام عبث نہیں کرتا، اور یہ کہ وہ قادر مطلق ہے اور اس کے ہر عمل میں حکمت پنہاں ہے تو اب قیامت کے بارے میں شبہ کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔

(۵) وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ (ج:۸) اور اللہ ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔

یہ گذشتہ باتوں کا آخری نتیجہ ہے۔

استدلال کا فطری طریقہ یہی ہے، لیکن چونکہ تم ایسی اصطلاحات کے عادی ہو چکے ہو جو عام گفتگو اور بول چال کے طریقہ سے ہٹی ہوئی ہیں اس لیے تمہیں یہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ یہ بات استدلال کے طور پر کہی جا رہی ہے۔ پس تمہیں بحث اور گفتگو کے صحیح اور فطری انداز کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

دوسری مثال

ایک ایسا جامع نسخہ تیار کریں جو گزشتہ تفاسیر کا نچوڑ ہو، معاصر مورخ عفیف کے بیان سے تاتارخاں کے عظیم منصوبہ پر بخوبی روشنی پڑتی ہے "تاتارخاں خواست کہ تفسیری مفصل مرتب کند تمام تفاسیر را جمع کنانیدہ جماعہ علماء را حاضر گردانیدہ۔ در ہر آیتی و کلمہ آں قدر مفسران گزشتہ کہ اختلاف نوشتہ بودند تاتارخاں آن جمیع اختلاف در تفسیر خویش نوشتہ بود برائے تالیف بدل و جاں در نشست و در ہر اختلاف حوالہ بداں مصنف حسب تفسیر کردہ گوئی جملہ تفاسیر در یک تفسیر جمع گردانیدہ چوں آں تفسیر مرتب گشتہ آں تفسیر را تفسیر تاتارخانی نام داشتہ"[50] اسے یقیناً ایک تفسیری کارنامہ کہا جاسکتا ہے گرچہ یہ دستیاب نہیں کہ اس کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا جاسکے۔

۱۵ ویں صدی عیسوی کی اولین تفسیروں میں "نور بخشیہ" شامل ہے جو ایک صوفی عالم سید اشرف جہانگیر سمنانی (متوفی ۱۴۰۵ء) کی تالیف کردہ ہے مولف کا مولد شہر سمنان (ایران) ہے۔ وہ سیر و سیاحت کا شوق رکھتے تھے۔ محمد تغلق کے دور حکومت میں وارد ہند ہوئے اور علم کی طلب میں یہاں بھی سرگرداں رہے، متعدد علماء و مشائخ کی صحبت اختیار کی جن میں سید جلال الدین حسین بخاری، شیخ علاء الدین عمر لاہوری اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی قابل ذکر ہیں، آخر عمر میں کچھوچھہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ یہ ذکر اہمیت سے خالی نہیں کہ مستقل سفر اور نقل مکانی کے باوجود سید سمنانی نے بہت سی تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں جو تفسیر و فقہ تصوف و کلام جیسے مختلف النوع مباحث سے تعلق رکھتی ہیں[51]۔

صاحب نور بخشیہ کے ہمعصروں میں مولانا خواجگی (متوفی ۱۴۰۶ء) سے ایک فارسی تفسیر بحر المعانی منسوب کی جاتی ہے[52] گرچہ ان کے تذکروں میں عام طور پر اس تفسیر کا حوالہ نہیں ملتا لیکن معاصر و غیر معاصر مآخذ سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ وہ علوم دینیہ پر عبور رکھتے تھے ان کے اساتذہ میں معین الدین عمرانی اور شیخ نصیر الدین محمود اودھی جیسے جلیل القدر علماء شامل تھے اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے والوں میں مفسر قرآن و ممتاز فقیہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی بھی تھے ایک طویل عرصہ تک انھوں نے دہلی میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی اور مذہبی علوم و فنون کی اشاعت میں حصہ لیا۔ آخر عمر میں تیمور کے حملہ سے قبل قاضی شہاب الدین کے ہمراہ کالپی (جالون) منتقل ہو گئے تھے اور وہیں وفات پائی[53]۔ ان کی صلاحیت و علمی خدمات کی روشنی میں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے علم تفسیر میں دلچسپی لی ہو جبکہ ان کے اساتذہ اور شاگرد خاص کے بارے میں اس کا قطعی ثبوت ملتا ہے۔ بہر حال یہ ایک مختصر تفسیر ہے جس میں علم کلام کے مسائل بھی جا بجا زیر بحث آئے ہیں اور بعض جدید

دانشوروں کے بقول یہ فضل بن حسن طبرسی (متوفی ۱۱۵۳ء) کی مجمع البیان کا خلاصہ ہے[۵۲]۔ اس عہد میں تصوف کے رنگ میں یا متصوفانہ انداز پر جو تفسیریں لکھی گئیں ان میں سید محمد بن یوسف الحسنی معروف بہ گیسو دراز (متوفی ۱۴۲۲ء) کی تفسیر القرآن الکریم خصوصیت سے قابل ذکر ہے[۵۳]۔ سید محمد گیسو دراز چشتی سلسلہ کے مشہور مشائخ اور اس عہد کے نامور علما میں سے تھے، کم سنی میں اپنے والد کے ساتھ محمد تغلق کے زمانہ میں دولت آباد منتقل ہو گئے تھے، چند سالوں کے بعد دہلی واپس ہوئے اور مولانا شرف الدین کیتھلی، شیخ نصیر الدین محمود اور قاضی عبد المقتدر[۵۴] سے علوم متداولہ کی تکمیل کی اپنے مرشد شیخ نصیر الدین محمود کی وفات کے بعد دکن چلے گئے اور وہیں بمقام گلبرگہ ان کا انتقال ہوا۔ دینی علوم بالخصوص تفسیر و فقہ میں انھیں مہارت حاصل تھی درس و تدریس کے علاوہ تصنیفی و تالیفی خدمات بھی انجام دیں اس اعتبار سے وہ ہمعصر مشائخ میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔ انھوں نے علوم کی مختلف شاخوں (تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، ادب وغیرہ) کو اپنی تصنیفات کا موضوع بنایا اور کثرت تصانیف کے لیے مشہور ہوئے قرآنی علوم میں انھوں نے خصوصی دلچسپی دکھائی فن تفسیر سے متعلق کم از کم ان کی تین کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ مذکورہ بالا تفسیر کے علاوہ انھوں نے کشاف کے طرز پر ایک تفسیر مرتب کی مزید براں کشاف کے پانچ اجزا پر حواشی بھی ان کی تالیفات میں شامل ہیں[۵۵]۔ شیخ علی بن احمد مہائمی (متوفی ۱۴۳۲ء) کی تفسیر بتصیر الرحمٰن و تیسیر المنان (جو تفسیر رحمانی یا تفسیر مہائمی کے نام سے بھی معروف ہے) اس اعتبار سے امتیازی خصوصیت کی حامل ہے کہ یہ ہندوستان کی پہلی تفسیر ہے جو قرآن کی ترجمانی و تشریح میں ربط آیات کے پہلو کو نمایاں کرتی ہے اور نظم قرآن سے بحث کرتی ہے۔ شیخ علی مہائمی مہائم (گجرات) کے متوطن اور ۱۴ویں و ۱۵ویں صدی عیسوی کے ہندوستانی مشاہیر میں سے تھے[۵۶]۔ فن تفسیر و حدیث و فقہ میں خصوصی دستگاہ رکھتے تھے اور تصوف کی دنیا میں ابن عربی کے خیالات سے متاثر اور وحدت الوجودی فلسفہ کے قائل تھے۔ مذہبی علوم میں فن تفسیر ان کی توجہ کا مرکز بنا، فقہ و تصوف وغیرہ کے موضوع پر بھی انھوں نے کتابیں لکھیں لیکن ان کی عظمت و شہرت اسی تفسیر کی مرہون منت ہے۔ عہد وسطی کے ہندوستان کی بعض اور تفسیروں (مثلاً حسن محمد بن احمد میاں جیو کی تفسیر محمدی اور شیخ مبارک ناگوری کی منبع عیون المعانی) میں ربط آیات کی وضاحت ملتی ہے لیکن علی مہائمی کی تفسیر میں جس خوش اسلوبی اور مہارت سے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے وہ دوسروں کے

یہاں مفقود ہے۔ جدید ہندوستان کے عظیم مفسر اور نظم قرآن کے زبردست ترجمان علامہ حمید الدین فراہی کے یہاں بھی تفسیر مہائمی کی اس خصوصیت کا اعتراف ملتا ہے[۵۹]۔ ربط آیات کے علاوہ اس تفسیر کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ ہر سورہ کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر اس سورہ کے خاص مضمون کی روشنی میں بیان کی گئی ہے[۶۰]۔

اس میں شبہ نہیں کہ ۱۳ویں و ۱۴ویں صدی عیسوی کے ہندوستان میں تفسیر کے میدان میں نہایت اہم و قابل قدر تصنیفی کارنامے انجام پائے جیسا کہ اوپر کی تفصیلات سے واضح ہوا تاہم عہد سلطنت کے آخری حصے (۱۵ویں صدی اور ۱۶ویں صدی کے ربع) میں جو تفسیری تخلیقات ظہور میں آئیں انھیں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس دور کی تفسیروں میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی (متوفی ۱۴۴۵ء) کی تفسیر بحر مواج سب سے اہم ہے جسے عہد سلطنت کی تمام فارسی تفسیروں کا شاہکار کہنا بیجا نہ ہوگا[۶۱]۔ اس کے مولف جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا تفسیر و فقہ میں مہارت اور علمی کارناموں کے لیے ممتاز تھے۔ یہ ایک بسیط و مفصل تفسیر ہے جس کا اندازہ اس کی تین ضخیم جلدوں کو دیکھ کر ہوتا ہے[۶۲]۔ یہ تفسیر سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے نام معنون ہے مولف کے اہم تفسیری مآخذ تفسیر کبیر، کشاف، تفسیر ابواللیث سمرقندی اور مدارک التنزیل ہیں۔ صاحب تفسیر نے قرآن کے معانی و مطالب کی وضاحت کرتے وقت لغوی و نحوی بحثوں پر خاص زور صرف کیا ہے۔ مزید براں مختلف آیات سے جو فقہی مسائل اخذ ہوتے ہیں ان کی نشاندہی بھی کی ہے۔ مختصر یہ کہ بحر مواج زبان و بیان کی خوبیوں سے معمور ہے، گلزار ابرار کے مصنف محمد غوثی شطاری نے اسے کشاف کے ہم پایہ قرار دیا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فارسی میں ہونے کی وجہ سے اسے تفسیری درسیات میں شمولیت نہ مل سکی جس کی وہ بجا طور پر مستحق تھی۔ غوثی شطاری کے الفاظ ہیں "ازاں جملہ تفسیر بحر مواج است چوں فارسی زبان است از اعداد کتب متداولہ درس نگشت ہماں معانی اگر بتازی عبارت یا رمی شد نوید ہمتائی کشاف بد انشوران جہاں می داد"[۶۳]۔ ۱۵ویں صدی کے نصف آخر یا لودی سلاطین کے دور میں لکھی جانے والی تفسیروں میں "تفسیر نور النبیؐ" قابل ذکر ہے۔ اس کے مولف خواجہ حسین ناگوری (متوفی ۱۴۹۵ء) ہیں جن کا قرآنیات سے لگاؤ اور تفسیر مدارک کے درس کا التزام پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ خواجہ حسین نے قرآن کے ہر جزو کی تفسیر علیحدہ لکھتے ہوئے اپنے مکمل مجموعۂ تفسیر کو تیس حصوں میں منقسم کیا ہے۔ قرآنی آیات کی شرح و بسط کے ساتھ وضاحت

لغوی ولسانیاتی تحقیق اورانداز بیان کی سادگی اس تفسیر کی امتیازی خصوصیات ہیں[64]۔ مصنف تذکرہ علماء ہند کے الفاظ میں "از تصانیف او تفسیر نور النبی است کہ ہر جزوی از قرآن مجلدی جدا نوشتہ وحل تراکیب وبیان معنی قرآن از انچہ در تفسیر ہا می باشد بہ تفصیل وتسہیل تمام تر بیان فرمودہ"[65]۔ اس طرح یہ تفسیر عام فہم ہونے کی وجہ سے کافی اہمیت رکھتی ہے۔ عہد زیر بحث کی آخری تفسیر مولفہ شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری (متوفی ۱۵۲۵ء) اپنی نوعیت میں بالکل منفرد ہے۔ مولف سید جلال بخاری ملتانی کی اولاد میں سے تھے ان کی پیدائش اور تعلیم وتربیت ملتان میں ہوئی انھوں نے متعدد بار حجاز مقدس کا سفر کیا اور حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ سلطان سکندر لودی کے زمانہ میں ملتان سے دہلی منتقل ہوئے جہاں اس علم دوست سلطان نے ان کی کافی قدردانی کی۔ انھوں نے اپنی عربی تفسیر یہیں ۱۵۰۹ء میں مکمل کی۔ اس تفسیر کی ندرت یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ومنقبت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح صاحب تفسیر کے خیال میں پورا قرآن مجید نعت نبویؐ سے عبارت ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حاجی عبدالوہاب کی اس تعبیری ندرت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں "شیخ حاجی عبدالوہاب را تفسیری ست وبسیارے از دقائق عشق واسرار محبت در انجا درج کردہ است غالباً وقوع آں در غلبہ حال واستغراق وقت بودہ است"[66] اس میں شبہ نہیں کہ عشق نبوی سے مغلوب ہو کر اس نوع کی تفسیر لکھی گئی ہو لیکن اس کوشش میں قرآنی تعبیرات میں جو کھینچا تانی کی گئی ہوگی اور آیات کو مخصوص معنی پہنانے کے لیے جو نرالا انداز اختیار کیا گیا ہوگا ظاہر ہے اسے مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ آخر میں تفسیر مدارک پر مولانا الہ داد جونپوری (متوفی ۱۵۲۶ء) کے حواشی کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جو عہد سلطنت کے اختتامی حصہ کی ایک اور تالیفی یادگار ہے۔ حاشیہ نگار جونپور کے مشاہیر اور اپنے عہد کے ممتاز علما میں سے تھے۔ دینی علوم کی اشاعت میں انھوں نے خاص دلچسپی لی جس کے واضح ثبوت ان کی تدریسی خدمات اور تصنیفی وتالیفی مشاغل سے ملتے ہیں۔ ان کے علمی کارناموں کا ایک اہم حصہ درسیات کی مروجہ کتابوں پر شروح وحواشی لکھنا تھا[67]۔ تفسیری درسیات میں انھوں نے مدارک التنزیل کو اپنے حواشی کے لیے منتخب کیا جسے نہ صرف اس وقت تفسیر کے نصاب میں ایک اہم مقام حاصل تھا بلکہ علماء ومشائخ کے حلقوں میں ذاتی مطالعہ اور درس کے لیے بھی مقبول تھی جیساکہ اوپر وضاحت کی گئی، یہ حاشیہ[68] اس اعتبار سے کافی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے ذریعہ

مدارک کے مشکل مباحث کی وضاحت کرنے اور ظاہری ومعنوی دونوں لحاظ سے اس تفسیر کو عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں متعدد احادیث کے متون کا بھی اضافہ کیا گیا ہے جن کی جانب اصل تفسیر میں محض اشارہ ہے، مزید براں سورتوں کے شان نزول اور متعلقہ واقعات کی تفصیل بھی اس میں ملتی ہے۔ مولف نے معتبر تفسیری مآخذ کے حوالے سے اپنے بیانات کو مدلل بھی کیا ہے۔ ان تمام باتوں سے فن تفسیر میں محشی کی مہارت اور ان کے حاشیہ مدارک کی افادیت عیاں ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں یہ حقیقت بخوبی واضح ہوتی ہے کہ عہد سلطنت میں علم قرآن میں دلچسپی اور اس کی اہمیت دوسرے علوم کی بہ نسبت کم نہ تھی۔ اس وقت تعلیم کے مختلف مدارج میں جو نصاب رائج تھا اس میں علوم قرآنیہ کو نہ صرف ایک نمایاں مقام حاصل تھا بلکہ علماء و مشائخ کی انفرادی مجلسوں میں قرآنی حقائق و معارف پر بھی روشنی ڈالی جاتی تھی اور تفسیری کتب کی مدد سے قرآنی آیات کی وضاحت بھی کی جاتی تھی جیسا کہ مآخذ سے اس کے شواہد پیش کیے گئے مزید براں اوپر کی تفصیلات سے یہ ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے کہ عہد زیر بحث میں ایسے علماء کی کمی نہ تھی جن کی دلچسپی کا خاص محور علم قرآن تھا اور جو فن تفسیر میں مہارت تامہ کے مالک تھے ان میں سے کچھ نے درس و تدریس کے ذریعہ فہم قرآن کو عام کیا اور علم تفسیر کو رواج دیا اور بعض نے اپنی تصنیفی و تالیفی صلاحیتوں کو علوم قرآن کی نشر و اشاعت میں صرف کیا سب سے اہم یہ کہ معاصر علماء نے اس باب میں جو کارنامے انجام دئے وہ کمیت و کیفیت ہر لحاظ سے قابل قدر و لائق توجہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس علم سے متعلق اس دور کی خدمات کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔

حواشی ومراجع

لہ عہد وسطی کے ہندوستان میں علم حدیث کی ترقی کے لیے دیکھئے سید سلیمان ندوی رح کا مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث" مقالات سلیمان، دار المصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۶۸ء جلد دوم ص ۱ - ۵۵ اور ڈاکٹر اسحاق احمد، انڈیاز کانٹری بیوشن ٹو دی اسٹڈی آف حدیث لٹریچر، اردو ترجمہ بعنوان "علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ"۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۲ء

سہ "قرآن خواں" کا لقب عہد سلطنت کی بعض سیاسی شخصیتوں سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ فخر مدبر نے سلطان

قطب الدین ایبک کے لیے یہی لقب استعمال کیا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کی ہے کہ وہ قرآن شریف اچھی طرح پڑھ لیتا تھا (تاریخ فخر الدین مبارک شاہ، تحقیق و تصحیح سر ڈینی سن راس، لندن ۱۹۲۷ء، صـ۲۱) تغلق دور کے ایک اہم عہدہ دار ملک قبول جو فیروز شاہ کے زمانے میں سامانہ و بدایوں کے گورنر بھی رہ چکے تھے "قرآن خواں" کے لقب سے مشہور تھے۔ اسی نسبت سے ان کی ایما سے ترتیب دیا گیا فتاوی کا ایک مجموعہ "فتاوای قران خوانی" کے نام سے معروف ہے اگرچہ اب اسکالرس اور فہرست نگار بالعموم اسے "فتاوای قراخانی" کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ (یحیٰی سرہندی، تذکرہ مبارک شاہی کلکتہ، ۱۹۳۱ء، صـ۱۲۷، ۱۳۴-۱۳۵، برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۶۲ء صـ۵۲۷، شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۹۰ء، صـ۴۵۴-۴۵۵، فہرست مخطوطات شیرانی، لاہور، ۱۹۶۹ء، جلد دوم، صـ۲۹۶، فہرست مخطوطات فارسیہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ، ۱۹۲۴ء، صـ۴۹۸-۴۹۹، فہرست مخطوطات فارسیہ، انڈیا آفس، جلد دوم، صـ۳۰۶۹۔

۳؎ برنی، صـ۳۵۵، ان ماہرین قرأت کے حالات کے لیے ملاحظہ کریں، سید محمد کرمانی، سیر الاولیاء موسسہ انتشارات اسلامی، لاہور، ۱۹۷۸ء، صـ۲۸۵-۲۸۶، سید عبد الحئی، نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف، حیدر آباد، ۱۹۲۱ء الجزء الثانی، صـ۴۷، ۸۵۔

۴؎ فوائد الفواد، تصحیح محمد لطیف، لاہور، ۱۹۶۶ء، صـ۲۶۲۔

۵؎ فوائد الفواد، صـ۳۲۳، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مطبع محمدی، دہلی، ۱۲۸۳ء صـ۴۹۔

۶؎ سیر الاولیاء، صـ۳۰۰-۳۰۱، محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، حبیب گنج کلکشن، ۲۲/۵، صـ۴۶، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، صـ۵۹۔

۷؎ رحمن علی، تذکرہ علماء ہند، نولکشور، لکھنؤ، ۱۳۳۲ھ، صـ۶۲، نزہۃ الخواطر، الجزء الرابع، صـ۱۱۱۔

۸؎ اخبار الاخیار، صـ۲۱۲۔

۹؎ سیر الاولیاء، صـ۳۰۸، اخبار الاخیار، صـ۹۰-۹۱، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، صـ۱۰۶۔

۱۰؎ برنی، صـ۲۶، عز الدین عصامی، فتوح السلاطین، مدراس، ۱۹۴۸ء، صـ۱۵۶، ابو القاسم ہندو شاہ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، نولکشور، ۱۲۸۱ھ جلد اول، صـ۷۴

۱۱؎ فوائد الفواد، صـ۱۸۹

۱۲؎ اخبار الاخیار، صـ۹۰-۹۱، تذکرہ علماء ہند، صـ۴۱، نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث صـ۴۹۔ جلال الدین کی بابت یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ وہ ہمیشہ باوضو کتابت قرآن کیا کرتے تھے۔

۱۳؎ مجمع البحرین احمد بن علی معروف بابن الساعاتی (متوفی ۱۲۹۴ء) کی تالیف جسے قدوری و کنز کو سامنے

رکھ کر ترتیب دیا گیا تھا بعد میں مغل دور میں جب نصاب میں ترمیم کی گئی تو اس کی جگہ شرح وقایہ کو نصاب میں شامل کیا گیا" (عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۹ء، جلد سوم، ص۸۳۔

۱۴ سیر الاولیاء، ص۲۹۹، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۷۷۔

۱۵ سیر الاولیاء، ص۲۱۷، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۱۳۔

۱۶ سیر الاولیاء، ص۲۱۷، اخبار الاخیار، ص۹۴-۹۵، تذکرہ علماء ہند، ص۱۴۰، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۰۷

۱۷ فوائد الفواد، ص۱۸۶-۱۸۸۔

۱۸ سیر الاولیاء، ص۳۲۷۔

۱۹ بعض جدید اسکالرس نے اس کی توجیہ یہ پیش کی ہے کہ نصاب میں ترمیم کے نتیجہ میں جب معقولات کی کتابوں میں اضافہ ہوگیا تو ان کتابوں کی ضرورت باقی نہ رہی جن کی حیثیت تزئینی تھی یا جن میں متکلمانہ وفلسفیانہ مباحث کی کثرت تھی جیسے اصول فقہ میں "بزدوی" اور تفسیر میں "کشاف" تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں، سید مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۴۴ھ، ص۳۰۹، ۲۴۵-۲۴۶

۲۰ عہد وسطی کی درسیات اور ان میں عہد بعہد ترمیمات کے لیے دیکھئے سید عبدالحئی، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء، ص۹-۱۸، ۲۳-۳۰

۲۱ فقیر محمد، حدائق الحنفیہ، نولکشور ایڈیشن ص۱۹۴، تذکرہ علماء ہند، ص۱۷۹، نیز دیکھئے مقالات سید سلیمان، محولہ بالا جلد دوم، ص۵۸

۲۲ دیکھئے "محدثین جونپور" معارف، اعظم گڑھ، جلد نمبر ۲۵، شمارہ نمبر ۵ ص۳۴۶-۳۴۷

۲۳ تاریخ فیروز شاہی، ص۴۶، ۱۱۱، تذکرہ علماء ہند، ص۲۸۸

۲۴ زبدۃ التواریخ، روٹوگراف ۱۸۱ (مخطوط برٹش میوزیم) ریسرچ لائبریری، شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ ورق ۱۷ ب۔

۲۵ برنی، ص۱۰۳۔

۲۶ ایضاً ص۲۵۳-۲۵۴۔

۲۷ ایضاً، ص۳۵۶، نیز دیکھئے اخبار الاخیار، ص۱۰۵-۱۰۶، تذکرہ علماء ہند، ص۹۷-۹۸

۲۸ نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی ص۹۷، ۹۸

۲۹ برنی، ص۳۵۶، تذکرہ علماء ہند، ص۲۶۶

۳۰ سیر الاولیاء، ص۲۳۳، اخبار الاخیار، ص۹۴-۹۵، تذکرہ علماء ہند، ص۸۶-۸۷، ۱۴۰، نزہۃ الخواطر الجزء الثانی ص۱۰۹

۳۱؎ سیر الاولیا، ص۱۱۱-۱۱۲، ۳۰۴ - ۳۰۶، اخبار الاخیار، ص۹۵، گلزار ابرار، ص۴۳-۴۴، ۵۵، حدائق الحنفیہ ص۲۷۶ تذکرہ علماء ہند، ص۲۲۱-۲۲۲، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۶۳-۱۶۴۔

۳۲؎ برنی، ص۵۵۸-۵۶۰، سیرت فیروز شاہی، قلمی نسخہ، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، یونیورسٹی کلکشن، فارسیہ اخبار، ۱۱۱، ص۱۲۷

۳۳؎ سیر الاولیا، ص۲۳۳، ۲۳۵-۲۳۶، ۲۳۹، اخبار الاخیار، ۹۱، ۹۴-۹۵، غلام علی آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان، معہد الدراسات الاسلامیہ، علی گڑھ، ۱۹۷۶ء، ص۷۲-۷۳، تذکرہ علماء ہند، ص۸۶-۸۷، ۱۴۰، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۸۰-۸۱، ص۱۴۷

۳۴؎ سیر الاولیاء، ص۲۴۶-۲۵۲، اخبار الاخیار، ص۷۸-۸۴، ۱۴۶-۱۴۷، گلزار ابرار، ص۵۸-۵۹، تذکرہ علماء ہند ص۱۲۳، ۲۲۸، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۵۸-۱۶۰، ایضاً، الجزء الثالث، ص۷۱

۳۵؎ تذکرہ علماء ہند، ص۱۷۳، حدائق الحنفیہ، ص۲۸۸، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۱۶

۳۶؎ حدائق الحنفیہ، ص۲۹۴، نیز دیکھئے تذکرہ علماء ہند، ص۲۵۶، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۷۹

۳۷؎ تاریخ فیروز شاہی، ص۵۶۴، ان کے حالات کے لیے دیکھئے تذکرہ علماء ہند، ص۴۱، ۲۵۶، نزہۃ الخواطر الجزء الثانی، ص۲۲، ۱۷۸

۳۸؎ عفیف، تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، ص۳۹۲

۳۹؎ ملاحظہ فرمائیں اخبار الاخیار، ص۱۷۳-۱۷۴، سبحۃ المرجان، ص۹۵-۹۶، گلزار ابرار، ص۷۳-۷۴، تذکرہ علماء ہند ص۸۸، نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث، ص۱۹-۲۱، ماثر الکرام، آگرہ ۱۹۱۰ء، دفتر اول ص۱۸۸

۴۰؎ اخبار الاخیار، ص۱۶۹-۱۷۰، گلزار ابرار، ص۵۴، تذکرہ علماء ہند، ص۴۶-۴۷، نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث ص۵۵۔ اول الذکر دونوں مآخذ خاص طور سے ان کے قرآنی ذوق کی وضاحت کرتے ہیں۔

۴۱؎ اخبار الاخیار، ص۱۷۴-۱۷۵، تذکرہ علماء ہند، ص۴۹-۵۰، نیز شیخ محمد اکرام، آب کوثر، لاہور، ۱۹۵۲ء ص۴۱۶-۴۲۶

۴۲؎ اخبار الاخیار، ص۱۷۶-۱۷۸، گلزار ابرار، ص۱۱۴-۱۱۵، حدائق الحنفیہ، ص۲۶۶-۲۶۷، تذکرہ علماء ہند، ص۸-۱۰، نزہۃ الخواطر، الجزء الرابع، ص۲۴-۲۵۔

۴۳؎ غرائب القرآن ورغائب الفرقان المطبوع علی حاشیۃ تفسیر طبری، مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۲۱ھ، الجزء السادس ص۳۹

۴۴؎ سید مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ندوۃ المصنفین ۱۹۴۱ء۔ جلد اول ص۱۴۲ حاشیہ ۱

۴۵ ؎ اس تفسیر کا مصری مطبوعہ نسخہ اور ایران سے ۱۲۸۰ھ میں چھپے ہوئے نسخے کی دوسری وتیسری جلدیں، مولانا آزاد لائبریری کے حبیب گنج کلکشن اور عام عربی ذخیرہ میں بالترتیب موجود ہیں۔ اس تفسیر کے بارے میں مزید معلومات کے لیے دیکھئے۔ معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ، مصر، ۱۹۲۸ء، المجلد الثانی، ص۱۵۲۷، دائرہ معارف اسلامیہ (اردو انسائیکلوپیڈیا) دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۵۹ء جلد ۴، ص۵۳۱۔ محمد حسین ذہبی، التفسیر والمفسرون قاہرہ ۱۹۶۱ء ص۳۲۱-۳۲۲

۴۶ ؎ حاجی خلیفہ چلپی، کشف الظنون، مطبع معارف، استنبول، ۱۹۴۱ء، المجلد الاول، ص۴۴۸ حدائق الحنفیہ، ص۲۹۰-۲۹۱، ۲۹۴، نواب صدیق حسن خاں، ابجد العلوم، مطبع صدیقیہ، بھوپال ۱۲۹۵ھ ص۱۲۱م، تذکرہ علماء ہند، ص۱۵۱، سید عبدالحئی، الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ مطبعہ سعادہ، مصر، ۱۳۲۴ھ ص۱۲۸، ۱۲۹۔ نزہتہ الخواطر، الجزء الثانی، ص۹۵-۹۶۔

۴۷ ؎ سیر الاولیاء، ص۲۱۵-۲۱۷۔ نزہتہ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۱۳

۴۸ ؎ سبحۃ المرجان، ص۳۷-۴۷، کشف الظنون، المجلد الثانی، ص۲۰۳۹ حدائق الحنفیہ، ص۲۹۱ تذکرہ علماء ہند ص۵۳۔ سید مناظر احسن گیلانی (محولہ بالا، ص۱۲۱) کا یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس شرح کا ذکر کیا ہے۔

۴۹ ؎ نزہتہ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۶۱-۱۶۲۔

۵۰ ؎ تاریخ فیروز شاہی، ص۲۹۲ نزہتہ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۸-۱۹، مہدی حسین، تغلق ڈائینسٹی، نئی دہلی ۱۹۷۶ء، ص۲۷-۲۸ (دیباچہ)

۵۱ ؎ اخبار الاخیار، ص۱۶۰-۱۶۱، گلزار ابرار، ص۴۷، تذکرہ علماء ہند، ص۲۳، نزہتہ الخواطر، الجزء الثالث، ص۳۲-۳۴۔ اس تفسیر کا ذکر گلزار ابرار اور تذکرہ علماء ہند میں نہیں ملتا۔

۵۲ ؎ اردو انسائیکلوپیڈیا، محولا بالا، ص۵۳۳، سید مرتضیٰ حسین، "برصغیر میں علماء امامیہ کی تفسیریں" سہ ماہی مجلہ توحید، ایران فروری - اپریل ۱۹۸۵ء، ص۱۵۹

۵۳ ؎ اخبار الاخیار، ص۱۳۹-۱۴۰، مآثر الکرام، ص۱۸۳-۱۸۶، حدائق الحنفیہ، ص۳۰۴، تذکرہ علماء ہند ص۵۸، ۸۸، ۲۲۹، نزہتہ الخواطر، الجزء الثالث، ص۶۳-۶۴ آخر الذکر ماخذ میں ان کا پورا نام خواجگی بن محمد الحنفی الدہلوی درج ہے۔ جبکہ سید مرتضیٰ حسین (مجلہ توحید محولہ بالا) نے ان کا نام محمد بن احمد معروف بہ خواجگی شیرازی لکھا ہے۔

۵۴ ؎ سید مرتضیٰ حسین، محولہ بالا، ص۱۵۹۔

۵۵ ؎ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی نے انڈیا آفس کے عربی ذخیرۂ مخطوطات کی فہرست اور کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ

کے متعلقہ مخطوطہ کی روشنی میں اس کا نام "تفسیر ملتقط" بتایا ہے (ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۳ء، ص۳۰-۳۲ - روضۃ الاولیاء (مولفہ غلام آزاد بلگرامی) کے حوالہ سے سید مناظر احسن گیلانی نے بھی اس کا یہی نام درج کیا ہے (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، محولہ بالا، ص۱۶۶-۱۶۷)

۵۶ قاضی عبدالمقتدر سے سید گیسو دراز نے کشاف کا درس لیا تھا (نزہۃ الخواطر الجزء الثالث، ص۱۵۳)

۵۷ اخبار الاخیار، ص۱۲۷-۱۳۲، تذکرہ علماء ہند، ص۸۲، نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث، ص۱۵۲-۱۵۴
(سید محمد گیسو دراز کی تصانیف سو سے زائد ذکر کی جاتی ہیں)

۵۸ اخبار الاخیار، ص۱۷۲، گلزار ابرار، ص۷۲، سبحۃ المرجان، ص۹۷-۱۰۰، مآثر الکرام، ص۱۸۹-۱۹۰، ابجد العلوم، ص۸۹۳-۸۹۴، حدائق الحنفیہ، ص۳۱۷، نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث، ص۱۰۵-۱۰۶ صاحب اخبار الاخیار نے ان کا نام "شیخ علی پیرو" اور مصنف گلزار ابرار نے شیخ علی پُرو لکھا ہے۔

۵۹ عبدالحمید فراہی، دلائل النظام، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر (اعظم گڑھ) ۱۳۸۸ھ ص۳

۶۰ شیخ علی مہائمی کی تفسیر پر مفصل تبصرہ کے لیے دیکھیے عبدالرحمن پرواز اصلاحی، مخدوم علی مہائمی (حیات آثار و افکار)، نقش کوکن پبلیکیشن ٹرسٹ، بمبئی، ۱۹۷۶ء، ص۱۲۸-۱۴۰ اور ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، محولہ بالا ص۳۶-۴۲

۶۱ عہد وسطی کی فارسی تفسیروں کے جائزہ کے لیے دیکھیے راقم الحروف کا مضمون "عہد وسطی کے ہندوستان کی فارسی تفسیریں، ایک تعارفی مطالعہ" مجلہ علوم القرآن، علی گڑھ، جلد۱ شمارہ ۱، ص۱۲۵-۱۳۵۔

۶۲ اس تفسیر کے قلمی نسخے مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) میں حبیب گنج کلکشن فارسیہ تفسیر ۲/۲۱-۱۶ سبحان اللہ کلکشن ۱۱۲ ۲۹۷/۱-۲ اور یونیورسٹی ضمیمہ ۸ کے تحت ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے مخطوطات انڈیا آفس لائبریری، لندن، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ اور آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں بھی محفوظ ہیں۔

۶۳ گلزار ابرار، ص۷۷، نیز دیکھیے اخبار الاخیار، ص۱۷۳-۱۷۴، سبحۃ المرجان، ص۹۵-۹۶، مآثر الکرام ص۱۸۸-۱۸۹ ابجد العلوم، ص۸۹۳، تذکرہ علماء ہند، ص۸۸، نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث، ص۱۹-۲۱

۶۴ اخبار الاخیار، ص۱۷۴-۱۷۵، نزہۃ الخواطر، الجزء الرابع، ص۹۲ ۶۵ تذکرہ علماء ہند، ص۵۰

۶۶ اخبار الاخیار، ص۲۰۶، ۲۰۷، نیز دیکھیے گلزار ابرار، ص۱۱۵، تذکرہ علماء ہند، ص۱۳۸، نزہۃ الخواطر الجزء الرابع، ص۲۲۳-۲۲۴

۶۷ اخبار الاخیار، ص۱۸۸-۱۸۹، سبحۃ المرجان، ص۱۰۵، ماثر الکرام، ص۱۹۲ حدائق الحنفیہ، ص۳۶۴-۳۶۵ ابجد العلوم، ص۸۹۴-۸۹۵، نزہۃ الخواطر، الجزء الرابع، ص۱۴-۲۴

۶۸ اس کا ایک مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری (عبدالحئی کلکشن ۹/۸) میں دستیاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ	بے شک جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں غیب
بِالْغَیْبِ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ	میں رہتے ہوئے ان کے لیے مغفرت اور
کَبِیْرٌ ۝ (ملک: ۱۲)	ایک بہت بڑا اجر ہے۔

یہ دعوی کی تقریر ہوئی۔ اس کے بعد دلیل بیان کی:

وَاَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ اَوِ اجْھَرُوْا بِہٖ	اور تم اپنی بات کو چھپاؤ یا ظاہر کرو۔ وہ تو دلوں
اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (ملک: ۱۳)	کے بھیدوں سے بھی باخبر ہے۔

یعنی جب وہ تمہارے ظاہر و باطن دونوں سے باخبر ہے تو کیوں کر تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں بدلہ نہ دے گا؟

پھر اس بات کی بھی دلیل دی کہ وہ دلوں کے رازوں سے باخبر ہے، فرمایا:

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ	کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے، وہ
الْخَبِیْرُ ۝ (ملک: ۱۴)	تو بڑا ہی باریک بیں اور حقیقت کی خبر رکھنے والا ہے۔

یہ ایک بدیہی دلیل ہے۔ اس لیے کہ خالق نے جو چیز اپنے ارادہ اور حکمت سے پیدا کی وہ اس کے بارے میں ضرور باخبر ہوگا۔ "خلق" محض اس کا نام نہیں کہ کچھ اجزا کو مرکب کر دیا جائے بلکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو مخلوق کے تمام گوشوں میں مسلسل جاری رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو "خلق" نہ کہیں گے۔ "وھو اللطیف الخبیر" میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔ "لطیف" میں یہ پہلو ہے کہ چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہوتی، اور "خبیر" کا مفہوم یہ ہے کہ مخفی ترین چیز بھی اس کے دائرہ علم سے باہر نہیں ہوتی۔

تیسری مثال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً	اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تو
فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت
بِالْحَقِّ ۝ (ص ۲۶)	کرو۔

اس لیے کہ خلیفہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آقا کے طریقہ کی پیروی کرے۔

جامعۃ الملک عبدالعزیز کی مرکزی لائبریری کے

قرآنی مخطوطات

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی

زیرنظر مضمون میں کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ کی سنٹرل لائبریری میں موجود قرآنی علوم سے متعلق مخطوطات کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ مخطوطات شائع ہو چکے ہیں کچھ ایسے بھی ہیں جو اب تک شائع نہیں ہوئے ہیں، مگر مضمون نگار وقت کی کمی کے سبب ان ساری تفصیلات کا پتہ نہیں لگا سکا ہے۔

مسلمانوں کی علمی و سیاسی ترقی کے دور شباب میں چھاپہ خانے نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے علمی شاہ کار انقلابات زمانہ کی نذر ہو گئے۔ لیکن کثیر تعداد میں مخطوطات اب بھی دنیا کے مختلف ذاتی یا پبلک کتبخانوں میں، کچھ بوسیدہ و کرم خوردہ اور کچھ اچھی حالت میں، کسی قدرشناس کے منتظر ہیں۔ بہت سے مخطوطات کی اشاعت مستشرقین کی کوششوں کی رہن منت ہے۔ اب الحمدللہ مسلمان طلبا اور اہل تحقیق میں اس طرح کے مخطوطات سے دلچسپی بڑھی ہے اور ان کی تحقیق و تدقیق اور اشاعت کی طرف کافی توجہ ہو رہی ہے۔ اس طرح کی ایک فہرست "تحقیقات قرآن" کے عنوان سے قارئین مجلہ علوم القرآن کے شمارہ اول میں ملاحظہ کر چکے ہیں[1] ابھی اس سلسلے میں بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

زیرنظر مضمون کا مقصد یہ ہے کہ قرآنی علوم سے متعلق تحقیق کرنے والوں کے علم میں

---

[1] 'تحقیقات قرآن'، اصلاحی، محمد اجمل، مجلہ علوم القرآن علی گڑھ جلد ۱، شمارہ ۱، ص ۱۵۹ - ۱۶۰ اس مضمون میں صرف امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض میں ہونے والی تحقیقات کی فہرست پیش کی گئی ہے ضرورت ہے کہ دوسرے اداروں مثلاً جامعۃ ام القریٰ مکۃ المکرمہ، جامعۃ اسلامیہ مدینہ منورہ جامع الازہر قاہرہ، بغداد، دمشق وغیرہ کی یونیورسٹیوں میں ہونے والی اس طرح کی تحقیقات کا جائزہ بھی لیا جائے۔ (جامعہ ام القریٰ کے قرآنی مقالات کی فہرست ان شاء اللہ اگلے شمارہ میں آئے گی۔ (ادارہ)